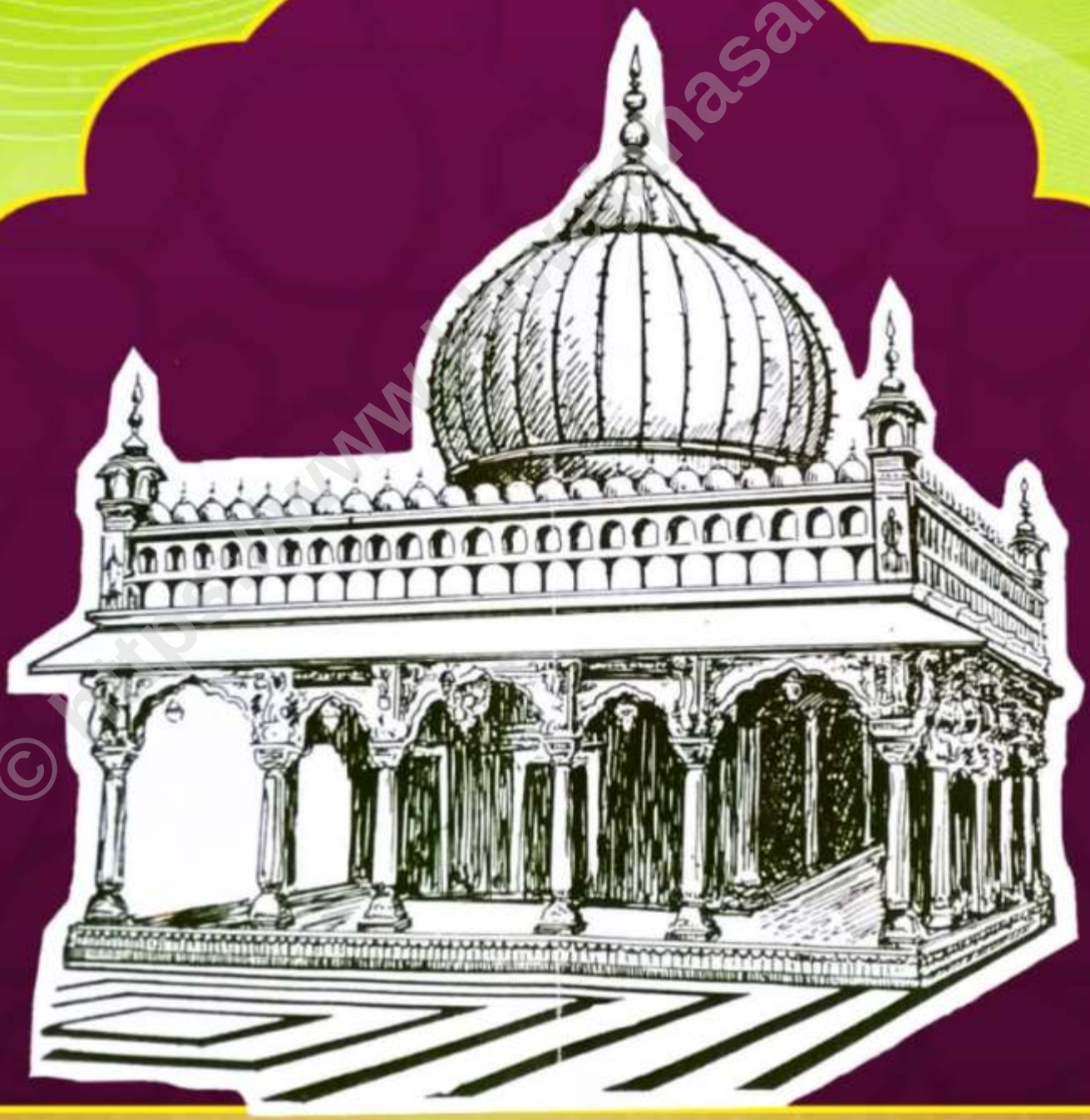
بارگاہِ سلطان المشائخ حضرت خواجہ سید نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ کا

ماہنامہ

منادی

نئی دہلی



© http://www.hasannizami.life

مُنَادِیًا یُّنَادِی لِلاِیمَانِ

مُنادی کرنے والا با آواز بلند ایمان کی طرف بُلا رہا ہے۔(سورۃ آل عمران:193)

بارگاہ سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہیؒ سے

ایمان اور امن کی ندا دینے والا

اور ان کے جانشین

امام المشائخ شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اور حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلویؒ کی یادگار

ماہنامہ منادی نئی دہلی

فروری 2023

جلد : 01 شمارہ : 03

مدیر اعلی : خواجہ سید محمد نظامی

مدیر : عبدالملک نظامی

نائب مدیر : خواجہ سید محمد شافی نظامی

اعزازی مدیر : ملا دورویش محی الدین خالد نظامی، ادونی

کمپوزنگ : اسماک آرٹس اینڈ گرافکس، ناندیڑ

سرورق ڈیزائن : حافظ رفیق احمد صاحب، گُنتی

ای میل : amaliknizami@gmail.com

دفتر کا پتہ : خواجہ ہال، بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء، نئی دہلی۔13

رابطہ : 919673379359919810020922

رسالے میں شامل مواد قلمکار کی اپنی رائے ہے۔اس سے ادارہ منادی یا اس کے مدیران کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

© https://www.khwajahasannizami.life

فہرست

الفاتحہ	حضرت اکبرالہ آبادی	03
اسلامی رسولؐ (قسط2)	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	05
مولا مراعلیؓ ہے	کچھوچھوی صاحب	08
حضرت خواجہ حسن بصریؒ	تذکرہ المشائخ۔اخلاق حسین دہلوی صاحب	09
وقت کی پکار	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	13
حضرت خواجہ غریب نوازؒ	عبدالملک نظامی	14
محبوب الٰہیؒ کی بت شکنی	حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ	18
فوائدالفواد۔طریقِ بعیت	حضرت محبوب الٰہیؒ	22
کشکول کلیمی لقمہ 2	حضرت شیخ کلیم اللہ جہاں آبادیؒ	23
وجودخدا	ڈاکٹر سرشانتی سروپ بھٹناگر صاحب	24
رہنما کی ضرورت	فوائدالفواد	26
حضرت خواجہ سید مہدی نظامیؒ	عبدالملک نظامی	27
اہمیتِ بیعت اورمرتبہ شیخ	حضرت مسعودانورعلی کاکوری	33
قلمی چہرہ (ذاکرحسین)	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	37
وسیلہ کی اہمیت وافادیت	مولانا شبنم کمال صاحب	38
ملفوظات حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	مولانا نیلم نظامیؒ	43
ادب	مولوی ذہین نظامی	45
اسراف	ماہنامہ درویش(1925ء)	48
منتخب روزنامچہ (1952ء)	حضرت خواجہ حسن نظامیؒ	55
اردو کی نشوونما میں صوفیا کا حصہ	حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ	58
حلقہ نظامیہ	------	61

© https://www.khwajahasannizami.life

شروع بنام اللہ قلم کا کُل
نحمدہٗ ونُصلی علیٰ رسولہ الکریم

الفاتحہ

قرآن کو زبان سے دل میں اُتاریئے
علمی نمود چھوڑ عمل کو سنواریئے
چشم وزباں میں کیجئے پیدا اثر جناب
بعد اس کے بندگان خدا کو پُکاریئے

قرآن رہے پیشِ نظر یہ ہے شریعت
اللہ رہے پیشِ نظر یہ ہے تصوّف
مقصود تو واحد ہے اگر غور سے دیکھو
عامل نہ رہے اس کے اسی کا ہے تاسف

بے بصیرت ہے ، مگرتو منکر شیخ و ولی
ناشگفتہ رہ گئی بے شک ترے دل کی کلی
چشم پیدا کن کہ بنی آشکارو ہم نہاں
درقبائے گل رخاں رنگ نبیؐ بوئے علیؓ

شریعت وطریقت

لسان العصر حضرت اکبرالہ آبادی

سنو دوہی لفظوں میں مجھ سے یہ راز
شریعت وضوہے طریقت نماز
طریقت شریعت کی تعمیل ہے
طریقت عبادت کی تکمیل ہے
شریعت بحکم و طریقت بدل
کہ معنیٰ سے کردے تجھے متصل
شریعت میں آثار راہ خدا
طریقت میں رفتار راہ خدا
شریعت طریقت سے ہے صف بصف
یہ ہے موج دریا وہ دریا میں کف
شریعت سے ہے ظلمت کفر دور
طریقت میں فطرت کا ظاہر ہے نور
شریعت کرے گی بصیرت کو صاف
طریقت میں حسب مذاق انکشاف
شریعت تو اک عام قانون ہے
طرقیت کا اک خاص مضمون ہے
شریعت میں لازم اطاعت ہوئی

© https://www.khwajaraqsannizami.life

طریقت میں شرط ارادت ہوئی
عبادت کی لذت طریقت میں ہے

شریعت تو ہے دیدۂ نور بیں
شریعت میں تاکید ضبطِ نصوص

طریقت نبی روح کی دوربیں
طریقت میں ذوق عمل باخلوص

شریعت ہے اک شمع محفل فروز
طریقت قدم ہے شریعت ہے راہ

طریقت ہے اک شعلۂ وہم سوز
شریعت زباں ہے طریقت نگاہ

شریعت ہے مہر سپہرِ ہُدا
شریعت درمحفل مصطفیٰ ﷺ

طریقت کا رُخ سوئے حبّ خدا
طریقت عروجِ دل مصطفیٰ ﷺ

شریعت ہے جاں اور طریقت نشاط

شریعت ہے منزل طریقت رباط
شریعت میں ہے قیل و قال حبیب

شریعت غذا ہے طریقت دوا
طریقت میں محو جمال حبیب

شریعت چمن ہے طریقت ہوا
شریعت میں ارشاد عہد الست

شریعت عبادت ہے اللہ کی
طریقت میں ہے یاد عہد الست

طریقت محبت ہے اللہ کی
شریعت شکر ہے طریقت زباں

شریعت کی خدمت کا سب سے لگاؤ
کہ معنیٰ کی لذت چکھئے تیری جاں

طریقت کی لذّت پئے مَنْ یَّشَاءِ
شریعت میں دین اور ایمان ہے

شریعت میں ہے ناروجنت کا رنگ
طریقت میں تسکین وایقان ہے

طریقت میں ہے وصل وفرقت کارنگ
سخن سنجیاں گوہوں میری درست

شریعت کتابوں کی ہے محتمل
مگر قول سعدی نہایت ہے چست

طریقت میں ہے درس الواح دل
طریقت بجزخدمت خلق نیست

عبادت سے عزت شریعت میں ہے
بہ تسبیح و سجّادہ ودلق نیست

© https://www.khwajaharisanizami.life

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامی رسول صلی اللہ علیہ وسلم

قسط2

از : حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

اسلامی رسول کے اخلاق :پیغمبر اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس باعتبار اخلاقِ عظیمہ وخصائل کریمہ کے سب لوگوں سے ارفع واعلیٰ تھی۔آپ میں عزم واستقلال،صبر وتحمل، فردتنی و بردباری،متانت وسنجیدگی،زہدواتقا۔رحم وکرم،شرم وحیا،رضاو توکل،سخاوت وشجاعت اوردیگرصفاتِ حسنہ بدرجہ غایت موجودتھیں۔

جاہ وجلال آپ کے چہرے سے اسقدرعیاں تھا کہ ایک مرتبہ ''عقبہ بن عمر'' آپ کے سامنے کھڑے ہوئے تو خوف سے کانپنے لگے۔آپ نے فرمایا طبیعت پر آسانی کرو میں کوئی جابر بادشاہ نہیں ہوں۔'' (سیرۃ محمدیہ)

آپ سخی اس قدر تھے کہ مال ودولت اپنے گھر میں رکھنا پسند نہیں کرتے تھے جو کچھ آتا شام تک ختم کردیتے تھے۔ایک بارتو نوے ہزاردرہم (تقریباً پچاس ہزارروپیہ) آپ کے پاس لائے گئے۔آپ نے مسجد کی چٹائی پر رکھوادیئے اورشام تک سائلوں کوتقسیم فرمادیئے آپ کی زوجہ محترمہ عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ آپ نے کبھی تین روز تک متواتر سیر ہوکر گیہوں کی روٹی نہیں کھائی۔ مانگنے والوں کی حاجت پوری کرتے اور جو کچھ آپ کے پاس ہوتا فوراً دیدیتے تھے۔

نرفت لابزبانِ مبارکش ہرگز
مگر باشہدان الا الہ الا اللہ
(مشکوۃ الانوار)

عفوو کرم آپ میں بہت زیادہ تھا۔جن لوگوں نے آپ پر ظلم وستم کئے تھے اُن سے بھی کبھی آپ نے انتقام نہیں لیا۔عقبہ بن ابی وقاص نے غزوۂ احد میں آپ پر پتھر برسائے جس سے آپ کے اندانِ مبارک شہید ہوگئے۔اورآپ کا چہرہ مبارک زخمی ہوگیا لوگوں نے عرض کیا کہ آپ اِن کے لئے بددعا کیجئے آپ نے فرمایا: اِنِّی لَمْ اُبْعَثْ لِقَامًا وَاِنَّما بُعِثْتُ رَحْمَةً

(ترجمہ) میں بددُعا کرنے کے لئے نہیں بھیجا گیا ہوں بلکہ میں تو رحمت ورافت کیلئے مبعوث ہوا ہوں۔(کنزالاخلاق)

کفارِ مکہ جنہوں نے تیرہ سال تک آپ کواور آپ کے متبعین کوسخت ایذائیں اور تکلیفیں پہونچائیں تھیں عبادت کرتے ہوئے آپ پر غلاظتیں پھینکیں، ہرقسم کی گستاخیاں کیں،آپ کے صحابہ پر انواع واقسام کے ظلم وستم کئے آپ کو وطن سے بے وطن کردیا تھا۔ جب مکہ فتح ہوا تو وہ لوگ آپ کے سامنے لائے گئے۔اُس وقت اُن کو کامل یقین تھا کہ آج ہماری تمام بدسلوکیوں شرارتوں اور ہمارے ظلم و ستم کا پورا پورا بدلہ لیا جائے گا۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انکی طرف نظر اُٹھا کرفرمایا:تم کیا سمجھتے ہوکہ اب میں تمہارے ساتھ کیا کرونگا؟

سب نے گردنیں جھکا کر دبی زبان میں کہا۔آپ رحم وکرم فرمائینگے!

رحمتہ اللعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا:اے اہل مکہ!میں تم سے کوئی بدلہ لینا نہیں چاہتا۔جاؤتم سب لوگ آزاد ہو۔

لَا تَثْرِيبَ عَلَيكُمُ اليَوْمَ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَاَرْحَمُ الرَّاحِمِيْنَ ط

(ترجمہ)تم پرکوئی ملامت نہیں اللہ تمہارے گناہوں کومعاف کرے وہ سب سے بڑھ کررحم کرنے والا ہے۔(مشکوٰۃ الانوار)

© https://www.khwajahasannizami.life

شمامہ بن اثال ایک رئیس عرب جو غلہ کا بہت بڑا تاجر تھا اور آنحضرت ﷺ کا معتقد تھا اُسنے اہل مکہ کی شرارتوں کو دیکھ کر غلہ دینا بند کر دیا تھا۔ جب اہل مکہ کو غلہ کی تکلیف ہوئی تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ آپ رحمدل مشہور ہیں اور ہم کو غلہ کی سخت تکلیف ہے کیونکہ شمامہ نے غلہ روکدیا ہے، آنحضرت ﷺ نے شمامہ کو حکم دیا کہ غلہ نہ روکو میں پسند نہیں کرتا۔ (سیرۃ محمدیہ ﷺ)

غزوۂ بدر کے موقعہ پر چند اہل مکہ قید ہوکر آئے تھے۔ مسلمانوں نے انکی مشکیں باندھ کر ایک خیمہ میں مقید کر دیا۔ قیدیوں میں وہ لوگ تھے جنہوں نے مسلمانوں کو سخت ایذائیں پہونچائی تھیں۔ رات کے وقت آنحضرت ﷺ قیدیوں کے خیمہ کے قریب ہی عبادت میں مشغول تھے کہ ان کے کراہنے کی آواز آئی۔ آپ اُن کے پاس گئے اور پوچھا کیا تکلیف ہے؟ انہوں نے کہا کہ ہماری مشکیں سخت بندھی ہوئی ہیں آپ ﷺ نے فوراً سب کی مشکیں کھلوادیں اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ مہربانی کرو اور ان کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آؤ۔ (تاریخ حبیب الہ)

ایک مرتبہ ایک یہودی عورت سقیمہ نے آنحضرت کو بکری کے گوشت میں زہر ملا کر دیا آپ کو معلوم ہوگیا اور اُسنے اپنے جرم کا اقرار بھی کرلیا لیکن آپ نے اُس کو سزا نہ دی اور معاف کر دیا (سیرۃ محمدیہ ﷺ)

سادگی وانکساری آپ ﷺ میں اس قدر تھی کہ باوجود جلیل القدر پیغمبر ہونے کے گھر کے ادنیٰ ادنیٰ کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتے غریبوں کی دلنوازی، بیماروں کی عیادت اور غمزدوں کی ماتم پرسی کیلئے تشریف لیجاتے محتاجوں اور مسکینوں کو محبت کے ساتھ اپنے پاس بٹھاتے کسی شخص کو مفلس ہونے کی وجہ سے حقیر نہ سمجھتے۔ کنزالاخلاق میں لکھا ہے۔

كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ يَخْصِفُ الْغُلَهُ وَيُخِيطُ ثَوْبَهُ وَيَعْمَلُ فِيْ بَيْتِهٖ كَمَايَعْمَلُ اَحَدُ كُمْ فِي بَيْتِهٖ وَكَانَ بَشَرَ مِنَ الْبُشْرِ يَفْلِيْ ثَوْبَهُ وَيَحْلِبُ شَآنَهُ وَيَخْدِمُ نَفْسَهُ

(ترجمہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا جوتہ آپ گانٹھ لیتے اور اپنے کپڑوں میں پیوند لگا لیتے، اور جو کام آدمی اپنے گھر میں کرتے ہیں وہ سب کر لیتے اپنے کپڑوں میں جوئیں دیکھتے بکری کا دودھ دوہتے اور اپنا کام آپ کرتے (کنزالاخلاق)

ایک مرتبہ ایک سفر میں جبکہ چند صحابہؓ بھی معیت میں تھے ایک مقام پر قیام فرمایا کھانے وغیرہ کا انتظام کیا گیا ہر ایک نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا کسی نے کہا میں بکری ذبح کروں گا کسی نے کہا میں برتن صاف کروں گا کسی نے کہا میں روٹی پکاؤں گا۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میں جنگل سے لکڑیاں لاؤں گا۔ صحابہؓ نے عرض کیا، حضور ﷺ تکلیف نہ فرمائیں ہم لوگ سب کام کریں گے آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے کہ ایک آدمی اپنے رفیقوں میں ممتاز ہوکر بیٹھے اور کام میں شریک نہ ہو چنانچہ آپ ﷺ جنگل میں تشریف لے گئے اور لکڑیوں کا بوجھ سر پر رکھ کر لے آئے۔ (مشکوٰۃ الانوار)

آپؐ کی عادت تھی کہ جب آپ گھر والوں یا صحابہؓ واحباب میں سے کوئی آپ کو پکارتا تو آپ ہمیشہ بلا لحاظ خوردی و بزرگی جواب میں کہا کرتے تھے لبیک۔ یعنی حاضر ہوں میں۔ (سیرۃ محمدیہؐ)

رحمت و رافت بھی آپ میں غایت درجہ موجود تھی۔ حضرت انسؓ جو آپ کے صحابی اور خادم تھے بیان کرتے ہیں کہ

خَدَمْتُ النَّبِي عَشَرَ سِنِيْنَ فَمَالَامَنِي عَلٰى شِئِ قَطُّ اُتِّي فِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ فَاِنْ لَا مِنِّي لَا ئِمٌ مِنْ اَهْلِهٖ قَالَ دَعَوْهُ فَاِنَّهُ لَوْقُضِيَ شِئِ كَانَ۔ (صحیحین)

(ترجمہ) میں نے دس برس تک آنحضرت ﷺ کی خدمت گذاری کی اس عرصہ میں آپ نے مجھ کو کبھی نہ دھمکایا نہ سخت وسُست کہا اگر کبھی مجھ سے کوئی غلطی ہوئی یا نقصان ہوا اور گھر والوں میں سے کسی نے ذرا دھمکایا تو آنحضرت ﷺ نے فوراً کہا کہ اسے کچھ نہ کہو اس لئے کی جو کچھ ہونا تھا ہو گیا۔

کنز الاخلاق میں لکھا ہوا ہے کہ ایک مرتبہ ایک یہودی جس کا کچھ قرض آپ پر آتا تھا اور ہنوز وعدہ منقضی نہ ہوا تھا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سخت تقاضا کیا آپ نے حد درجہ نرمی سے جواب دیا لیکن اُسنے اور زیادہ سختی کے ساتھ گفتگو کی حضرت عمرؓ اس صحبت میں موجود تھے اُن کو غصہ آ گیا اور بولے اگر تو بارگاہ نبوی ﷺ میں نہ ہوتا تو تجھے مار ڈالتا۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم نے حضرت عمر سے فرمایا کہ اے عمر تمہارا فرض تھا کہ مجھے قرض ادا کرنے کی ہدایت کرتے چہ جائیکہ تم نے اُس کو ڈانٹنا شروع کیا یہ کہاں کا آئین اور انصاف ہے اس کے بعد ہی آپ ﷺ نے قرض ادا کیا اور بیس صاع اور زیادہ دیئے کیونکہ حضرت عمر کی اس سختی سے اُسے رنج پہونچا تھا۔ (کنز الاخلاق)

حسنِ معاشرت اور خوش خلقی میں آپ کا کوئی ثانی نہیں تھا آپ نے انتہا نیک عادت خلیق اور دلجو تھے۔ لوگوں سے نہایت خوش خلقی کے ساتھ پیش آتے اور ہر قوم کے بزرگوں کی تعظیم کرتے جو کوئی آپ کے پاس آتا اُس کی عزت کرتے۔ آپ چھوٹے بڑے کے ساتھ نہایت محبت سے پیش آتے تھے صحابہ میں سے ہر ایک یہ سمجھتا تھا کہ آپ مجھ سے زیادہ کسی کو نہیں چاہتے آپ مسکین لوگوں کی دعوتیں بلا تائل منظور کر لیتے تھے۔ آپ کی یہ خوش خلقی کچھ مسلمانوں کے ساتھ ہی مخصوص نہیں تھی بلکہ آپ سب پر ہی شفیق تھے۔ ایک یہودی لڑکا سا فل جو آپ کی خدمت گذاری کرتا تھا ایک مرتبہ بیمار پڑ گیا آنحضرت اس کی عیادت کے لئے تشریف لے گئے اور اُس کے سرہانے بیٹھ کر آپ نے تشفی آمیز کلمات فرمائے۔ باوجود اس شفقت رحم اور مہربانی کے لوگوں کے دلوں میں آپ کی اس قدر عظمت اور ہیبت تھی کہ کوئی شخص آپ کے سامنے کسی کی برائی اور عیب جوئی مطلق نہیں کر سکتا تھا۔ آپ کی مجلس میں نہایت مہذبانہ طریقہ پر گفتگو ہوتی تھی۔ حاضرین اس طرح سر جھکائے مودب بیٹھے رہتے تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرند بیٹھے ہوئے ہیں۔ (سیرۃ محمدیہ)

جرأت و استقامت آپ میں اس قدر تھی کہ نہایت خطرناک مواقع پر بھی آپ مستقل و مطمئن رہتے تھے لڑائیوں میں دُشمنوں سے سب سے زیادہ قریب آپ ہی ہوتے تھے مدینہ میں ایک رات خوف چھایا ہوا تھا کہ غسانی عیسائی بادشاہ حملہ کرنے والا ہے لوگ گھبرائے ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت گھوڑے پر سوار ہو کر شہر میں گشت کیلئے نکلے اور لوگوں کو اطمینان دلایا کہ کوئی خطرہ نہیں اللہ حافظ و ناصر ہے۔ (مشکوٰۃ الانوار)

ہجرت کے موقعہ پر جب غارِ ثور میں آپ پوشیدہ ہوئے اُس وقت حضرت ابوبکرؓ آپ کے ہمراہ تھے جس وقت اہل مکہ کے جاسوس آپ کو تلاش کرتے ہوئے غار پر آئے تو حضرت ابوبکرؓ نے کہا رسول اللہ دشمن آ گئے آپ نے فرمایا اے ابوبکر! لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ترجمہ خوف نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ (تاریخ حبیب الہ)

ایک روز بارش کے موسم میں آپ مکہ کے ایک باغ میں تشریف لے گئے راستہ میں مینہ کے پانی سے آپ کے کپڑے بھیگ گئے جب آپ باغ میں پہونچے تو کپڑے اُتار کر درخت پر لٹکا دیئے اور تہ بند باندھ کر ایک صاف سی جگہ پر لیٹ گئے۔ اس حالت میں

آپ کو نیند آ گئی آپ کے سوتے میں مکہ کا ایک مشہور پہلوان غورَث نامی جو آپ کا دشمن تھا اس باغ میں آیا اور آپ کو سوتا دیکھ کر تلوار میان سے نکالی اور کہا اے محمد ﷺ! آج تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے۔ آپ ﷺ فوراً اُٹھ بیٹھے اور آپ نے کہا ''مجھ کو اللہ واحد القہار بچا سکتا ہے۔'' آپ کا یہ جواب سن کر غورث لرزنے لگا۔ اور تلوار ہاتھ سے گر پڑی۔ آپ نے تلوار کو اُٹھا کر کہا اے شخص! اب تجھ کو میرے ہاتھ سے کون بچا سکتا ہے اُس نے کہا افسوس اِس وقت میرا کوئی ساتھی نہیں آپ نے اُس کو چھوڑ دیا اور اُس کی تلوار واپس دیدی۔ (سیرۃ محمد ﷺ)

☆☆☆☆

مولا مرا علیؓ ہے

از: حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی

بندہ ہوں میں علیؓ کا مولا مرا علیؓ ہے
والی مرا علیؓ ہے آقا مرا علیؓ ہے

ہم نام ہے خدا کا محبوب مصطفیٰؐ کا
باشان اکبریائی نام خدا علیؓ ہے
خواص بحر عرفاں وہ خضر راہ ایماں
حق سے ملانے والا ہادی مرا علیؓ ہے

وہ ہادی شریعت وہ سالک طریقت
وہ واقف حقیقت نور الہدی علیؓ ہے

چاہو جو سر عرفاں پکڑو علیؓ کا داماں
باب علومِ نبوی نجم الہدی علیؓ ہے

دید علیؓ عبادت ذکر علیؓ عبادت
کیا شان ہے علیؓ کی کیا مرتضیٰ علیؓ ہے

اقطاب وغوث عالم در کے گدا ہیں جس کے
وہ شاہ کشور دیں صدر العلیٰ علیؓ ہے

مضمون لحمک سے یہ راز ہم نے جانا
خود شان مصطفائی صلی علیٰ علیؓ ہے

سیات وہ شاہ صفدر وہ حامی پیمبرؐ
ہر جنگ میں دلاور شیر خدا علیؓ ہے

اول میں بھی علیؓ ہے آخر میں بھی علیؓ ہے
ظاہر میں بھی علیؓ ہے سر خفا علیؓ ہے

مقصود ھل اتیٰ کا منسوب اِنّمَا کا
مطلوب قل کفیٰ کا ہاں مرتضیٰ علیؓ ہے

یعسوب دیں علیؓ ہے عین الیقین علیؓ ہے
حبل المتین علیؓ ہے معجز نما علیؓ ہے

جو پھر گیا علیؓ سے وہ پھر گیا نبیؐ سے
نفس رسول اکرمؐ شان خدا علیؓ ہے

(ماخوذ از ماہنامہ منادی نئی دہلی۔ مارچ 1961ء)

© https://www.khwajahasanizami.life

زبدۃ الانام حضرت خواجہ حسن بصریؓ

وارثِ علم نبی خواجہ حسن بصریؓ ولی
عالم وعارف امام الاولیا کے واسطے

نام و نسب: حضرت خواجہ حسن بصریؓ کا نام حسن ہے۔اور آپ حسن لولوی کے نام سے بھی یاد کئے جاتے تھے۔کیوں کہ آپ عہدِ جوانی میں موتیوں کی تجارت کیا کرتے تھے۔(نوٹ: تذکرہ الاولیا عطار ص ۳۰ نیۃ الاصفیا جلد ا ص ۲۲۳۔) آپ کی کنیت ابوعلی ابوسعید ابونصر اور ابومحمد (نوٹ: کشف المحجوب ص ۶۸ سیر الاقطاب ص ۱۰ خزینۃ الاصفیا جلد ا ص ۲۲۳ بستان معرفت ص ۱۳)۔ آپ حضرت اویس قرنیؓ کی اولادِ پاک نہاد سے تھے۔ (نوٹ: حضرت اویس قرنی بن عامر عاشق رسول ﷺ تھے۔اور عہد نبوت میں موجود تھے۔مگر ملاقات نہ ہوسکی سہل یمنی آپ کا لقب ہے۔حضرت علیؓ اور حضرت عمرؓ سے فیض حاصل کیا گیا جنگ صفین ۳۷ھ میں شہید ہوئے۔ میدانِ صفین ہی میں مزار ہے۔نوٹ: خزینۃ الاصفیا جلد ا ص ۲۲۳ (نسبت پدری پسر موسی راعی ابن خواجہ اویس قرنی است، سیر الاقطاب ص ۱۱۔) آپ کے والد کا نام یسار تھا جو مشہور صحابی زین بن ثابتؓ (نوٹ: زید بن ثابتؓ کاتب وحی اور اصحابِ بدر میں معزز صحابی تھے) کے آزاد کردہ غلام تھے۔(نوٹ: تذکار الجنود الابرار ص ۲۴ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ا صفحہ ۳۸)۔ اور آپ کی والدہ ام المؤمنین حضرت اُم سلمیٰؓ (نوٹ: تذکرۃ الاولیا عطار ص ۲۹) کی کنیز تھیں۔

ولادت: خواجہ حسن بصریؓ مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔ (نوٹ: مدینہ منورہ کا قدیم نام یثرب ہے۔جب نبی کریم ﷺ نے وہاں قیام فرمایا تو اسے مدینۃ الرسول یعنی رسول اللہ کا شہر کہنے لگے۔ مدینہ منورہ یا مدینہ طیبہ کہتے ہیں۔) اور مدینہ منورہ کی نورانی فضا میں پرورش پائی۔ اور وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی اس وقت کا مدینہ عہدِ نبوت کی برکتوں سے مالا مال تھا۔اور علم وفضل اور دین وتقویٰ اور روحانی کمالات کا مرکز تھا۔ان حالات نے سونے پر سہاگے کا کام کیا۔اور کندن بنا دیا۔

سن پیدائش میں اختلاف ہے۔اکابر صوفیہ کی روایات سے مترشح ہے کہ عہد نبوت میں آپ کی ولادت ہوئی۔البتہ خرین نے آپ کا سنِ ولادت ۲۱ھ عہد فاروقی لکھا ہے۔(نوٹ بستانِ معرفت ص ۱۳ تاریخ دعوت وعزیمت حصہ ا صفحہ ۳۸)

حسن نام کیوں رکھا گیا: خواجہ حسن بصریؓ نہایت حسین اور خوبصورت تھے۔ایک دن آپ کی والدہ نے آپ کو امیر المؤمنین حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں پیش کیا، آپ نے دیکھتے ہی فرمایا: ''سموہ حسناً نانہ احسن الوجوہ'' اس کا نام حسن رکھو کیوں کہ یہ بہت خوبصورت ہے۔(نوٹ: تذکرۃ الاولیا عطار ص ۳۰ سیر الاقطاب ص ۱۲ خزینۃ الاصفیا جلد ا صفحہ ۲۲۳ یہ روایت وجہ تسمیہ کی وجہ سے ہے۔مگر اس سے یہ سمجھنا کہ آپ عہد فاروقی میں پیدا ہوئے تھے، اس لئے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں پیش کئے گئے اگر عہد نبوت ﷺ میں پیدا ہوتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپ کو پیش کیا جاتا۔ یہ استدلال صحیح نہیں۔ یہ امور وقت واتفاق پر مبنی ہوتے ہیں۔) چنانچہ حسنؔ آپ کا نام رکھا گیا۔اور اس نام کو شہرت عام اور بقائے دوام نصیب ہوئی۔خواجہ حسن بصریؓ کی والدہ ماجدہ ام المؤمنین حضرت اُم سلمیٰ رضی اللہ عنہا

کی کنیز تھیں۔ (نوٹ: حضرت اُمِ سلمیٰؓ کا نام ہند ہے۔ اور اُمِ سلمیٰ کنیت ہے۔ ابوامیہ ان کے باپ تھے جو بہت سخی تھے۔ امِ سلمیٰؓ کی خوبصورتی کا شہرہ عام تھا۔ نہایت عقلمند اور صائب الرائے تھیں پہلے آپ کی شادی نبی کریم ﷺ کے رضاعی بھائی عبداللہ سے ہوئی جو ابتدائی مسلمانوں میں گیارہویں مسلمان تھے۔ اور ان ہی کے ہمراہ سفر شام سلمیٰؓ نے حبشہ کی ہجرت کی تھی جب ان کا انتقال ہوگیا تو نبی کریم ﷺ کے عقد میں آگئیں۔ اور آپ کی مصاحبت سے بہت فائدہ حاصل کیا سن ۵۵۹ سے ۶۳ ۵ تک کسی سن میں وفات پائی تھی) اس لئے خواجہ حسن بصریؒ نے حضرت اُمِ سلمیٰؓ کے زیرنگرانی بلکہ آپ ہی کے آغوش شفقت میں پرورش پائی۔ حضرت اُمِ سلمیٰؓ کو بھی آپ سے بہت محبت تھی آپ کی تکلیف کو ذرا بھی گوارنہ کرتی تھیں۔ اگر آپ کی والدہ گھر کے کام کاج میں مشغول ہوتیں اور آپ رونے لگتے تو حضرت اُمِ سلمیٰؓ آپ کو بہلاتیں۔ اور فرطِ شفقت سے اپنا پستانِ مبارک آپ کے مونھ میں دے دیتیں اور اگرچہ حضرت اُمِ سلمیٰؓ عمر رسیدہ تھیں۔ اور دودھ اُترنے کی ذرا بھی اُمید نہ تھی مگر خدا کی شان دو چار قطرے آپ کے پستان مبارک میں سے نکل آتے جو خواجہ حسن بصریؒ پی لیتے اور ان سے انھیں خاطر خواہ تسکین ہوجاتی۔ (نوٹ: تذکرۃ الاولیا عطار ص ۲۹ سیر الاقطاب ص ۱۲ خزینۃ الاصفیا جلد ا صفحہ ۲۲۳ افضل الفوائد جلد ا صفحہ ۱۱۱)

اُمِ المؤمنین حضرت اُمِ سلمیٰؓ کی محبت وشفقت کا یہ عالم تھا کہ آپ اکثر بارگاہ الٰہی میں دُعا فرماتیں کہ الہ العالمین اس بچے کو مقتدائے عالم بنائیے۔ (نوٹ: سیر الاولیا ص ۳۲)۔

نبی صلّی اللہ علیہ وسلم کے کوزے

(نوٹ: کوزہ دستی لگاھوا برتن) کا پانی :خواجہ حسن بصریؒ بچے ہی تھے۔ ایک دن آپ نے نبی کریم ﷺ کے کوزہ مبارک میں سے پانی پی لیا۔ جب نبی کریم ﷺ تشریف لائے تو آپ نے دریافت فرمایا کہ اس کوزے میں سے پانی کس نے پیا ہے۔ حضرت اُمِ سلمیٰؓ نے جواب دیا کہ حسن (بصری) نے پیا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جتنا پانی اس کوزے میں سے اس بچے نے پیا ہے۔ اتنا ہی میرا علم اس میں سرایت کرگیا ہے۔

حضرت محبوب الٰہی نظام الدین اولیاءؒ کا ارشاد ہے کہ اسی موقعہ پر حضرت اُمِ سلمیٰؓ نے خواجہ بصریؒ کو نبی کریم ﷺ کی گود میں دیا۔ اور نبی کریم ﷺ نے آپ کے لئے دعا فرمائی۔ چنانچہ خواجہ حسن بصریؒ کو جو کچھ فضل وکمال نصیب ہوا۔ وہ سب نبی کریم ﷺ کی دُعا کی برکت سے ہوا۔ (نوٹ: تذکرۃ الاولیاء عطار ص ۲۹، ۳۰ افضل الفوائد جلد ا صفحہ ۱۱۳ سیر الاقطاب ص ۱۲ خزینۃ الاصفیہ جلد ا صفحہ ۲۲۴۔ اس روایت سے یہ بھی واضح ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ کی ولادت نبی کریم ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں ہوئی تھی مگر جو اس کے قائل ہیں کہ خواجہ حسن بصریؒ کی ولادت عہد فاروقی میں ہوئی تھی۔ وہ بتکلف اس کوزے کو اور اس روایت کو حضرت علی کرم اللہ وجہ سے متعلق سمجھتے ہیں)

علم و فضل :خواجہ حسن بصریؒ اپنے علم وفضل کے اعتبار سے کعبہ علم وفضل مانے جاتے ہیں۔ آپ کو علومِ ظاہری وباطنی میں کمال حاصل تھا۔ تمام اہل علم آپ کے فضل وکمال کو تسلیم کرتے ہیں۔ اور نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آپ کے علمی کمالات کے معترف ہیں۔ چناں چہ غیر مسلم فلسفی ثابت بن قرہ کا ایک بیان ابو حبان التوحیدی نے نقل کیا ہے جو خواجہ حسن بصریؒ کی علمی شخصیت کا ترجمان ہے۔ وَھُوَ ھٰذَا۔

خواجہ حسن بصریؒ علم و فضل :

زہد وتقویٰ عالی ہمتی زوقِ سلیم اور تفقہ فی الدین کے اعتبار سے ایک روشن ستارے تھے۔ آپ کی مجلس میں ہر طرح کے طالب وشائق جمع رہتے تھے۔ ہر ایک آپ سے فیض یاب ہوتا تھا۔ کوئی حدیث پاک کا درس لے رہا ہے۔ کوئی تفسیر کا اور کوئی فقہ کا۔ کوئی فتویٰ لے رہا ہے اور کوئی مقدمات کا فیصلہ کرنے کے قاعدے سیکھ رہا ہے۔ کوئی وعظ سُن رہا ہے۔ آپ اس انتہا سمندر کی طرح تھے جو پوری جولانی کے ساتھ بہتا رہتا ہے۔ ایک روشن چراغ ہے جس سے محفل جگمگا اُٹھی ہے۔ اچھے کاموں کی تبلیغ اور برے کاموں سے روکنے کے باب میں خصوصاً امراء اور حکام کو تنبیہ کرنے کے باب میں آپ کی خدمات ایک ایسا کارنامہ ہیں جو کسی عنوان فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ (نوٹ: دائرۃ المعارف للبستانی ج وص ۴۴۔ تاریخ دعوت و عزیمیت ص ۳۹، ۴۰) یہ بھی ثابت بن قرہ فلسفی ہی کا مقولہ ہے۔

اُمتِ محمدیہ کی جن چند ممتاز ترین شخصیتوں پر دوسری امتوں کو رشک آنا چاہئے ان میں حسن بصریؒ بھی ہیں۔

(نوٹ: دائرۃ لمعارف للبستانی ج وص ۴۴۔ تاریخ دعوت وعزیمیت صفحہ ۳۹۔۴۰)

اگر چہ یہ ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ خواجہ حسن بصریؒ کو یہ جملہ فضل وکمال نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کوزۂ مبارک کا پانی پینے سے اور آپ کی دعاء کی برکت سے نصیب ہوا جس میں حضرت اُمِ سلمیٰؓ کی مشفقانہ پرورش اور دُعاء کی بھی دخل ہے۔ لیکن خارجی حالات کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت کو عہد نبوت کی برکات کو اور نعمتوں سے مالا مال مدنی ماحول کو اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے مصاحبت کے اثرات کو بھی بڑا دخل ہے۔

خواجہ حسن بصریؒ نے ظاہری و باطنی علوم کا کامل درس حضرت امام حسنؓ سے حاصل کیا۔ (نوٹ: حضرت امام حسنؓ نبی کریم ﷺ کے حقیقی بڑے نواسے حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کے صاحبزادے تھے۔ نبی کریم ﷺ کی آغوش میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بعد خلیفۃ المسلمین مقرر ہوئے۔ مسلمانوں کی عام بہبودی کے پیش نظر سن ۴۱ ہجری میں منصب خلافت سے سبکدوش ہو گئے۔ زہر کھلا دینے سے آپ نے ۵/ربیع الاول ۵۰ھ کو شہادت پائی۔ مزار پر انوار جنت البقیع مدینہ منورہ میں ہے۔) اور روحانی کمالات میں بھی فیض کامل آپ ہی سے پایا۔ اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے بھی فیض حاصل کیا تھا۔ (نوٹ: تذکرۃ الاولیاء عطارص ۳۰)

تعلیم رُوحانی اور خرقۂ فقر وارادت: خواجہ حسن بصریؒ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے تعلیم روحانی حاصل کی۔ (نوٹ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ ابن ابو طالب بچوں میں سب سے پہلے مسلمان ہوئے نبی کریم ﷺ کے چچازاد بھائی اور داماد تھے۔ علم ومعرفت میں آپ کا مرتبہ بہت بلند ہے۔ نہایت بہادر اور شجاع تھے۔ قلعہ خیبر کے آپ ہی فاتح ہیں۔ مقدمات کا فیصلہ کرنے میں کمال حاصل تھا۔ قضایۂ علی مشہور ہیں۔ ذی الحجہ ۳۵ھ میں آپ امیر المؤمنین مقرر ہوئے ابن ملجم نے صبح کی نماز کے وقت تلوار سے زخمی کیا۔ ۱۷/رمضان المبارک ۴۰ھ کو شہادت پائی نجف اشرف میں مزار پر انوار ہے) چنانچہ حدیث شریف میں ہے: ''ایک دن حضرت علی کرم اللہ وجہہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ مجھے وہ طریقہ بتائیے جو خدائے تعالیٰ تک پہنچنے کے لئے بہت آسان ہو۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا اے علی وہ طریقہ یہ ہے کہ تم ہمیشہ اللہ

تعالیٰ کا ذکر پابندی کے ساتھ تنہائی میں کیا کرو۔ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے فریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ میں کس طرح ذکر کیا کروں۔ آپ نے فرمایا اپنی آنکھیں بند کرلو اور مجھ سے سُنو۔ حضرت علیؓ نے آنکھیں بند کرلیں۔ نبی کریم ﷺ نے تین بار فرمایا: ''لا الـه الا الله'' حضرت علیؓ سنتے رہے۔ پھر حضرت علیؓ نے بھی اسی طرح تین بار کہا ''لا الـه الا الله'' اور نبی کریم ﷺ اس کو سُنتے رہے۔ پھر حضرت علی کرم اللہ وجہ نے یہ طریقہ خواجہ حسن بصریؒ کو سکھایا۔ (نوٹ: القول الجمیل ص ۵۱)۔

اس حدیثِ پاک کو علمائے تحقیق غریب اور منقطع قرار دیتے ہیں۔ (نوٹ: غریب اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے راویوں سے کوئی راوی کسی طبقے میں سے صرف ایک ہو۔ اور کسی دوسرے شخص سے وہ روایت منقول ہو۔) لیکن امام اعظم ابوحنیفہ کو فیؒ کے نزدیک اور امام مالکؒ کے نزدیک راویوں کے عادل اور متقی ہونے صورت میں حدیثِ مرسل بھی حجت ہوتی ہے۔ تو پھر محض انقطاع کے شبہ پر اس حدیثِ پاک کو پایۂ اعتبار سے ساقط کیسے کہا جاسکتا ہے۔ دراں حالیکہ بکثرت عادل و متقی مشائخ و اولیاء اللہ اس کے راوی ہیں (نوٹ: منقطع اس حدیث کو کہتے ہیں جس کا سلسلہ صرف تابعی تک پہنچتا ہو۔ اور کسی صحابیؓ یا رسول اللہ ﷺ تک نہ پہنچتا ہو)۔ (نوٹ: مرسل اس حدیث کو کہتے ہیں جس کے آخر کا ایک راوی یا کئی راوی چھوٹ گئے ہوں یعنی روایتِ حدیث میں صحابی یا صحابہ کا سلسلہ ترک ہوگیا ہو)۔

بہر حال اس حدیثِ پاک سے اور متعدد واقعات سے خواجہ حسن بصریؒ کا حضرت علی کرم اللہ وجہ سے روحانی تعلیم و تربیت حاصل کرنا اور خرقۂ، خرقۂ فقر و ارادت حاصل کرنا پوری طرح ثابت ہے۔ (نوٹ: اس بزرگ خرقۂ ارادت از امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ پوشید (سیر الاولیا ص ۳۲ ج) تذکرۃ الاولیا عطار ص ۳۰ بحوالہ کتاب تحفہ ارادت یا امیر المؤمنین داشت و خلافت ہم (بسنہ سنابل قلمی ورق ۱۳۵ ب)۔ اور جو خرقۂ روحانی نبی کریم ﷺ کو شبِ معراج میں بارگاہ اب العزّت سے عطا ہوا تھا۔ اللہ بندگانِ خدا کے عیب پوشی کے وصف کی بناء پر نبی کریم ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہ کو عنایت فرمایا تھا اسی خرقے کو خرقۂ فقر و ارادت کہتے ہیں۔ (نوٹ: سیر الاولیا ص ۳۴۱ ص ۳۴۱) اور وہ خرقہ حضرت علی کرم اللہ وجہٗ نے حضرت خواجہ حسن بصریؒ کو عنایت فرمایا تھا۔ (نوٹ: لیس علیہ السلام علیاً و ہوالیس الحسن البصری الخ (سیر الاولیاء ص ۳۴۴ چ) اور وہی سلسلہ بہ سلسلہ دیگر مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ کو تفویض ہوتا رہا۔ البتہ بیعت و ارادت کا یہ طریق جو موجودہ زمانے میں رائج ہے۔ زمانۂ سابق میں بعینہ اس صورت سے نہ تھا۔ بلکہ محض تعلیم و تربیت اور صحبت پر اکتفا کیا جاتا تھا۔ اور اس کے اسباب گونہ گوں تھے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے مختصراً اس طرح ترجمانی فرمائی ہے:

تصفیۂ باطن کے لئے بیعت کا یا تقوے کے لئے بیعت کا رواج صحابہ کرام کی کثیرت کی وجہ سے خلفائے راشدین کے عہد میں نہیں تھا کیوں کہ صحابہ کرام کے قلوب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے منورا اور مؤدب ہو چکے تھے۔ اور انہیں مزید تصفیۂ باطن کے لئے بیعت کی حاجت نہ تھی۔ اور خلفائے راشدین کے عہد کے بعد چوں کہ بیعت خلافت و امارت نے رواج پالیا تھا۔ لہٰذا اس خطرے سے محفوظ رہنے کی غرض سے کہ مبادا بیعتِ تصفیۂ باطن کو بیعتِ امارت و خلافت خیال کرلیا جائے اور فتنہ برپا ہو۔ یہ بیعت متروک رہی۔ البتہ اس عہد میں خرقہ کا رواج تھا۔ جو بیعتِ

ارادت کا قائم مقام تھا۔ اس کے بعد جب خلفا اور سلاطین میں بیعت لینے کی رسم ترک ہوگئی۔ تو صوفیہ کرام رحمہم اللہ نے اس کا اپنا لیا اور اس سنت کو از سر نو رواج دیا۔

مزید فرماتے ہیں: اللہ تعالیٰ کی جو نعمتیں امتِ محمدیہ (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) پر ہیں ان میں سے ایک یہ ہے کہ سلسلوں کا ربط نبی کریم اللہ تعالیٰ نے علیہ وسلم تک صحیح اور ثابت ہے۔۔۔۔ابتدائی عہد کے صوفیۂ کرام کا تعلق تعلیم و تربیت اور صحبت اور نفس کی تہذیب سے تھا۔ اور اس زمانے میں خرقہ دینے اور بیعت لینے کا دستور نہ تھا، جیسا کہ موجودہ زمانے میں ہے) البتہ سید الطائفہ جنید بغدادیؒ کے عہدِ حیات میں خرقہ کی رسم نے رواج پایا۔ (نوٹ: حضرت جنید بغدادیؒ کا لقب سید الطائفہ ہے۔ بلند پایہ عالم اور معارف کامل اور نہایت درہ عابد و زاہد تھے۔ حضرت بصری کے مرید و خلیفہ اور حقیقی بھانجے تھے۔ جملہ مشائخ نے آپ کا بڑی عزت سے ذکر کیا ہے۔ خانوادہ جنیدیہ آپ ہی سے منسوب ہے۔ اسی کی ایک شاخ قادریہ ہے۔ ۲۷/رجب ۲۹۷ھ میں وصال فرمایا۔ مزار پُرانوار بغداد میں ہے۔) اور اس کے بعد بیعت کے (موجودہ) دستور نے فروغ پایا۔ (نوٹ: انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۳۰۳)۔

(ماخوذ از: تذکرہ المشائخ، مرتب: علامہ اخلاق حسین دہلوی)

ملفوظات محبوب محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ

وقت کی پکار

دنیا میں ہر چیز کی قیمت مقرر کی جاسکتی ہے۔ مگر وقت کی قیمت کوئی شخص مقرر نہیں کرسکتا۔ پیتل سونا نہیں ہوسکتا۔ بلور ہیرا نہیں بن سکتا۔ رانگ چاندی نہیں سمجھا جاسکتا۔ اگرچہ ان کی شکلیں ایک ہیں مگر وقت ایسی چیز ہے کہ وہ اگر پیتل کا ہو تو سونے کا بن سکتا ہے۔ اور بلور کا ہو تو ہیرا بن سکتا ہے اور رانگ کا ہو تو چاندی بن سکتا ہے۔

کیونکہ اس وقت میں پانچ منٹ کے اندر ایک آدمی پانچ کروڑ روپے کما لیتا ہے اور ایک آدمی پانچ لاکھ روپے کماتا ہے۔ اور ایک آدمی پانچ ہزار کماتا ہے۔ اور ایک آدمی پانچ سو اور ایک آدمی پانچ روپے اور ایک آدمی پانچ پیسے۔

مگر ایک آدمی ایسا ہے کہ وہ پانچ منٹ مفت کھو دیتا ہے۔ پانچ کوڑیاں بھی نہیں کماتا۔ پس اس بیکار آدمی کے نزدیک یہ پانچ منٹ نکمے اور بے قیمت ہوئے اور دوسرے کے نزدیک پانچ پیسے کے تھے اور تیسرے کے نزدیک پانچ روپے کے تھے اور چوتھے کے نزدیک پانچ سو روپے کے تھے اور پانچویں کے نزدیک پانچ ہزار روپے کے تھے اور چھٹے کے نزدیک پانچ لاکھ روپے کے تھے اور ساتویں کے نزدیک پانچ کروڑ روپے کے تھے۔

اے مسلمانو! میں تمھارے پاس آیا ہوں۔ اور غیبی اشارے نے مجھے تمھارے پاس بھیجا ہے کہ تم مجھ سے وقت کی قدر سیکھو اور اپنا ایک سانس بھی بیکار نہ جانے دو۔ اگر تم میرا کہنا مان لو اور وقت کی قدر سیکھ جاؤ تو تم میں سے ہر شخص دین اور دنیا میں مطمئن اور فارغ البال ہوجائے گا۔

محبوب محبوب الهی امام المشائخ حضرت خواجه حسن نظامی رحمته الله علیه درگاه حضرت خواجه نظام الدین اولیاء رحمته الله علیه ، 6/اگست 1926ء

(ماخوذ از: ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد 74، شمارہ 12)

© https://www.khwajahasannizami.site

حضرت خواجہ غریب نواز اجمیریؒ

از: عبدالملک نظامی ناندیڑ

حضرت خواجہ خواجگان خواجہ غریب نواز اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا نام نامی اور اسم گرامی کے چرچے ہندوستان کے گوشے گوشے میں ہیں کیونکہ حضرت اس براعظم میں رسالت مآب حضور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب اور جانشین کی حیثیت سے تشریف لائے۔ اللہ تعالیٰ کو اس براعظم میں حضرت ہی کی روحانیت کا سکہ چلانا منظور تھا۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ کا اسم گرامی سید معین الدین حسن ہے۔ آپ کے والد محترم کا نام حضرت سید غیاث الدین حسن اور والدہ محترمہ کا نام حضرت سیدہ ام الوراع ماہ نور ہے۔ آپ کی پیدائش سن 537 ھ میں ہوئی۔ آپ کی پیدائش علاقہ سجستان کے قصبہ (موضع) سجزی میں ہوئی۔ آپ کا سلسلہ نسب پدری حضرت سیدنا امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک پندرہ واسطوں سے جا ملتا ہے۔ آپ کے والد صاحب کا نو عمری ہی میں انتقال ہو گیا تھا۔ والد کے انتقال کے بعد حضرت نے اپنے مال متاع اور جائیداد وغیرہ کو خیرات کر دیا اور تارک دنیا ہو کر سمرقند و بخارا میں تعلیم کے لیے چلے گئے اور پھر نیشاپور کے قریب قصبہ ہارون جا کر حضرت خواجہ عثمان ہارونی رحمتہ اللہ علیہ سے بیعت کر لی۔ بیس (20) سال تک اپنے مرشد کی خدمت میں رہے۔ سفر و حضر میں آپ اپنے مرید کی خدمت میں سایے کی طرح ساتھ رہتے۔ آپ کے مرشد نے آپ کی صلاحیت اہلیت اور خدمت کو دیکھ کر روحانی نعمتوں سے مالا مال کیا اور اپنی خلافت و جانشینی عطا فرمائی۔

حضرت خواجہ صاحب اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اپنی ابتدائی عمر میں سیاحت بہت زیادہ کی تھی اور بے شمار بزرگوں کی زیادت فرمائی تھی۔ جس میں خاص طور پر شیخ وحید الدین کرمانی رحمتہ اللہ علیہ اور شیخ شہاب الدین سہروردی رحمتہ اللہ علیہ، شیخ ابوالحسن خرقانی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ ناصر الدین رحمتہ اللہ علیہ، حضرت علی بن سہل خلیفہ جنید بغدادی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت محمود اصفہانی رحمتہ اللہ علیہ، حضرت شیخ یوسف ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ اور حضرت شیخ ابوسعید تبریزی رحمتہ اللہ علیہ قابل ذکر ہیں۔ حضرت پیران پیر غوث اعظم دستگیر رحمتہ اللہ علیہ سے ملاقات میں مورخین کا اختلاف ہے۔

مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ میں حاضری دی اور حضرت رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر ہندوستان تشریف لائے۔ راستے میں مختلف اسلامی مالک کا سفر کیا اور بزرگان دین کی زیارت کی۔ لاہور میں حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ کے مزار پر اعتکاف کیا اور فیض حاصل کیا۔ اس دوران آپ سے بہت ساری کرامتیں ظاہر ہوئیں۔

جس وقت آپ اجمیر پہنچے اس وقت پرتھوی راج یہاں کا حاکم تھا۔ آپ اجمیر میں اس مقام پر قیام پذیر ہوئے جہاں راجہ کے اونٹ باندھے جاتے تھے شتر بانوں (اونٹ چرانے والوں) نے اجنبی لوگوں کو یہاں قیام پذیر دیکھا تو بڑی

© https://www.khwajahasanzami.life

ترش روی سے بولے یہاں سے اُٹھو! یہاں راجہ کے اونٹ بیٹھتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے نہایت نرمی سے جواب دیا" اچھا بابا تمہارے اونٹ یہیں بیٹھے رہیں۔" اس کے بعد آپ انا ساگر کے کنارے ایک پہاڑی پر قیام پذیر ہوئے۔ صبح جب شتر بانوں نے اونٹوں کو اُٹھانا چاہا تو وہ لاکھ جتن کے باوجود نہیں اٹھے۔ تمام شتر بان حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے غلطی کی معافی مانگی تو آپ نے کہا کہ تمہارے اونٹ اُٹھ جائیں گے۔ شتر بانوں نے آکر دیکھا تو اونٹ کھڑے ہوئے تھے۔ اس طرح شتر بان آپ کو بزرگی کے دل ہی دل میں قائل ہوئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ جس وقت اجمیر آئے تب آپ یہاں کی زبان، بول چال اور رسم ورواج سے ناواقف تھے۔ لیکن آپ نے لوگوں کے دلوں کی زبان کو جان کو ان سے صلہ رحمی اور محبت کا برتاؤ کیا۔ آپ نے خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ سے لوگوں کو واقف کروایا۔ آپ نے راجہ، پرجا، برہمن اور شدر میں کوئی فرق نہیں کیا اور فرمایا کہ " تمام لوگ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔" آپ کی ان سیدھی سادی اور حقیقت پر مبنی باتوں سے لوگ متاثر ہوئے اور ہزاروں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔ راجہ اجمیر کی کان میں ہر طرف سے برابر شکائتیں آرہی تھی۔ مذہبی پیشوا اور راجپوت سردار یہ برداشت نہ کر سکے کہ ادنی درجہ کہ لوگ ذات پات کے بندھنوں سے آزاد ہوکر برابری کا دعوی کرنے لگیں۔ خود راجہ کو بھی حق وصداقت کے یہ اصول ناگوار گزرے اور اس نے خواجہ صاحب کو اجمیر سے نکل جانے کا حکم دیا۔ حضرت نے جواب دیا کہ "ملک خدا کا ہے اور خدا کا بندہ اس ملک میں آیا ہے۔ بغیر حکم خدا یہاں سے نہیں جاسکتا" راجہ نے اپنے خاندانی گروجے پال جوگی کو بلایا اور سارا قصہ سنایا۔ جے پال نے کہا کہ ایک فقیر کا نکالنا میرے بائیں ہاتھ کا کام ہے۔ جے پال نے حضرت کے ساتھیوں کو انا ساگر کا پانی لینے سے روک دیا۔ اس پر آپ نے ایک مرید کو حکم دیا کہ وہ کوزے میں انا ساگر کا پانی لے آئے۔ مرید نے حکم کی تعمیل کی۔ کوزے میں انا ساگر سما گیا۔ اور تمام لوگ پانی کی بوند بوند کو ترسنے لگے۔ جے پال نے التجا کی تو آپ نے کوزے کے پانی کی انا ساگر میں ڈالنے کا حکم دیا اور انا ساگر دوبارہ پانی سے بھر گیا۔ جے پال نے آپ کو دو بدو مقابلے کی دعوت دی۔ آپ نے اسے قبول کیا۔ جے پال کے چیلوں نے کرتب بازی شروع کردی تا کہ آپ کے مرید مرعوب ہو جائیں۔ آپ نے اپنے ساتھیوں کے گرد زمین پر ایک حلقہ کھینچ دیا جس سے ان پر جادو کا اثر نہ ہوا۔ جوگی نے ہرن کی کھال پر بیٹھ کر آسمان کی بلندیوں پر نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ آپ نے اپنی جوتیوں کو حکم دیا کہ اس گمراہ کو نیچے اُتار لاؤ۔ دنیا سے دیکھا کہ جوتیوں نے جوگی کے سر پر مارتے ہوئے اسے نیچے اترنے پر مجبور کردیا۔ جوگی نے معافی مانگی اور توبہ کر کے ایمان لے آیا۔ آپ نے اس کا نام عبداللہ بیابانی رکھا۔

محمد غوری کے حملے میں راجہ پرتھوی راج چوہان مارا گیا۔ حضرت کے اخلاق، کردار، صلہ رحمی اور محبت کی وجہ سے آپ کی زندگی میں لاکھوں لوگ اسلام میں داخل ہوئے۔ آپ

کی ظاہرہ زندگی میں جس طرح کرامتیں ظاہر ہوئیں۔اسی طرح آپ کے پردہ فرمانے کے بعد بھی کرامتیں جاری ہیں۔

حضرت خواجہ صاحب اجمیری کا کارنامہ صرف یہی نہیں ہے کہ آپ نے ظاہری زندگی میں اور اس کے بعد آج تک ان گنت لوگوں کا ہاتھ تھاما یا دستگیری کی، مدد فرمائی بلکہ انھوں نے اپنے ہی جیسے بیشمار لوگ تیار کر دیے جو لوگوں کا ہاتھ تھام سکیں ، دستگیری کر سکیں مدد فرما سکیں اور انہیں خدا سے جوڑ سکیں اور خود اپنے انسان بھائیوں سے بھی ملا سکیں۔حضرت کے جانشین حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمتہ اللہ علیہ ہوئے۔انھوں نے بھی اپنے پیر کے مشن کو جاری رکھا۔حضرت قطب صاحب کی جگہ حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ بیٹھے۔یہ وہی گنج شکر ہیں جن کی بانیاں سکھ گرو صاحبان نے اپنی مذہبی کتاب گرو گرنتھ صاحب میں شامل کیں۔حضرت بابا صاحب نے اپنا جانشین حضرت خواجہ سید محمد نظام الدین اولیاء محبوبِ الٰہی رحمتہ اللہ علیہ جیسے بزرگ کو بنایا۔ اور ان سب بزرگوں کے چراغوں اور دیوں سے جو چراغ اور دیے روشن ہوئے وہ آج تک روشنی دے رہے ہیں اور لوگوں کو راستہ دکھا رہے ہیں۔

ہندوستان سدا سے گیاں دھیان کا دیس رہا ہے۔ یہاں خدا کا نام کسی نہ کسی شکل میں موجود تھا۔مگر یہ کوئی نہ سمجھتا تھا کہ خدا روز صبح سورج کو اسی طرح طلوع کرتا ہے کہ اس کی روشنی و گرمی اپنے پرائے اچھے برے اعلیٰ ادنیٰ سب کو ملتی ہے۔خدا کے دریا سورج ہی کی طرح پیاس بجھاتے وقت کوئی بھید بھاؤ نہیں برتتے، سب کی پیاس دور کرتے ہیں۔اور خدا کی زمین جس سے ہم نے جنم لیا جس سے ہم پلتے بڑھتے ہیں تواضع و انکساری سے ہمارے پیروں تلے بچھی رہتی ہے۔اس لیے خواجہ اجمیری نے فرمایا کہ "سچا خدا پرست اور خدا کا سچا دوست وہی ہے جس میں سورج کی سی شفقت، دریا کی سی سخاوت اور زمین کی سی تواضع پائی جائے۔"

فارسی زبان میں غریب کے معنی مسافر کے ہیں۔ تصوف میں مسافر کو سالک کہتے ہیں۔اردو میں غریب وہ کہلاتا ہے جس کے پاس دھن دولت نہ ہو۔حضرت خواجہ اجمیری نے ان دونوں کو نوازا، اس لیے غریب نواز کہلائے۔جو لوگ ان تک نہ جا سکے دور سے یاد کیا۔ان کی بھی قدر زمائی۔خواجہ صاحب اجمیری سے ہمیں نہ زمانہ دور کر سکا ہے نہ زمین کے فاصلے رکاوٹ بنے ہیں۔ ہندو ہو، مسلمان ہو، سکھ ہو، عسائی ہو بلکہ کچھ بھی نہ ہو یا سب کچھ ہو ہر ایک اجمیری خواجہ کا ہے اور اجمیری خواجہ ہر ایک کے ہیں۔

ہر سال 6/رجب المرجب کو خواجہ صاحب اجمیری رحمتہ اللہ علیہ کا عرس منایا جاتا ہے۔ یہ سلسلہ 800 برس سے جاری ہے۔حضرت خواجہ صاحب کا اس سال منایا جانے والا عرس 811 واں ہے۔خواجہ اجمیری کی ایک کرامت یہ بھی کہ ان کے عرس میں ہر مذہب وملت کے لوگ شامل ہوتے ہیں۔ میرے پیر و مرشد حضرت خواجہ سید حسن ثانی نظامی فخر دہلی رحمتہ اللہ علیہ نے اس عرس کی عکاسی ان الفاظ میں کی ہے "مجھے یہ عرض کرنے کی اجازت دیں کہ یہ بارگاہ پہلی اور آج تک کی

سب سے بڑی بارگاہ ہے جہاں غیر مسلموں کو معلوم ہوا کہ اسلام کیا ہے اور مسلمان کسے کہتے ہیں ؟ اور صرف یہی نہیں خود مسلمانوں کو بھی پتہ چلا کہ ان کے ہم وطن ان کے ساتھ رہنے بسنے والے دوسرے عقائد ، دوسرے رسم و رواج ، دوسرے معاشرت بظاہر رکھتے ہیں کس طرح ان کے ساتھ ساتھ ہیں۔ کون سی باتیں باہم مشترک ہیں کن کن اچھی باتوں کا آپس میں تبادلہ ہوسکتا ہے۔اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جنھیں چھوڑ دینا چاہیے۔خواجہ صاحب کا عرس آئینہ ہے۔جس میں صرف ظاہری روپ ہی نظر نہیں آتا۔اندر کے پردے بھی اُٹھتے ہیں۔

ہر درد کی ملی ہے دوا ان کے نام سے
دیتا ہے ہر مراد خدا ان کے نام سے

خواجہ صاحب اجمیری غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے ہندوستان کی زمین پر نہیں ، ہندوستانیوں کے دلوں پر حکومت کی ، ایسی حکومت ایسی بادشاہت جو آج تک برقرار ہے۔ ہندوستان میں جہاں رام، کرشن، بدھ، جین، نانک اور ان گنت مذہبی لوگوں نے جنم لیا اور دنیا کی تاریخ میں اپنا مقام بنایا، وہاں ہندوستان کے خواجہ غریب نواز ، سلطان الہند، ولی ہند کہلا کر ہندوستان کو ساری دنیا سے روشناس کرایا۔

کسی شاعر نے کیا خوب کہا کہ

آفتاب رسالت ؐ مدینہ میں ہے
اور کرن جگمگاتی ہے اجمیر میں

حضرت علامہ اقبال نے آپ کی شان میں یوں عرض گزار ہوئے۔

چشتی نے جس زمین میں پیغام حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کے گیت گایا

حضرت علامہ اقبال خواجہ صاحب اجمیری کے سلسلہ کے بزرگ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ سے متعلق اپنی نظم التجائے مسافر میں تو یوں عرض کرتے ہیں۔

تیری لحد کی زیارت ہے زندگی دل کی
مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا

الٰہی جب تک سورج چاند رہے چشتیوں کا یہ چراغ یوں ہی روشن رہے۔آمین

☆☆☆☆☆

حضرت خواجہ میر درد

جگ میں آکر اِدھر اُدھر دیکھا — ان لبوں نے نہ کی مسیحائی
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا — ہم نے سو سو طرح سے مر دیکھا
جان سے ہو گئے بدن خالی — زور عاشق مزاج ہے کوئی
جس طرف تو نے آنکھ بھر دیکھا — درد کو قصہ مختصر دیکھا

نالہ فریاد آہ اور زاری
آپ سے ہو سکا، سو کر دیکھا

☆☆☆☆☆

© https://www.khwajamoinuddinchishti.life

محبوب الٰہیؒ کی بُت شکنی

از: حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلی رحمۃ اللہ علیہ

بت پتھر، مٹی اور دھات ہی کے نہیں ہوتے۔ بت ہر مادی اور غیر مادی چیز کا بن جاتا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر خدا پرستی بھی ایک بت کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔ شیطان کا بت خدا پرستی ہی سے بنا تھا۔

شرک کو پسند نہ کرنے والے خدا نے بت شکنی، ایماندار آدمی کے فرائض میں داخل کر دی ہے۔ اور مومن کا فرض ہے کہ وہ ہر بت کو توڑ ڈالے۔ خواہ وہ شیطان کی سی خدا پرستی کا بنا ہو یا انسانی ہاتھوں کی صناعی پتھر مٹی کا بت!

مسلمان بڑے بت شکن مشہور ہیں۔ ہندوستان میں محمود غزنوی وغیرہ سے بت شکنی کو خاص طور پر منسوب کیا جاتا ہے۔ انھوں نے واقعی بہت بت توڑے، لیکن افسوس کہ ان کی پہنچ پتھر اور مٹی کی مورتوں سے آگے نہ ہوسکی۔ ان کو اس بات کا خیال تک نہ آیا کہ ان کی اپنی ذات بھی ایک بت بن گئی ہے۔ ان کے محل مندر اور ان کے تخت مورتیوں کے استھان ہیں۔ وہ زیادہ تر ان مولویوں کے زیر اثر تھے۔ جو مصلحت کے نام کا کلمہ پڑھتے تھے۔ جن کے نزدیک پانچ وقت کی اٹھک بیٹھک کا نام نماز، فاقوں کا نام روزہ سیاسی اخراجات کا نام زکواۃ، خیرات اور اندھی رسم پرستی کا نام حج تھا۔ انھوں نے قرآن کو بت بنا کر اپنے آپکو مہنتوں کی حیثیت دی۔ قرآن کے نام پر وہ جو چاہتے تھے کہہ دیتے تھے۔ انھوں نے تاویلوں کا ایک اکھاڑہ قائم کر رکھا تھا۔ قرآن ان کے لئے بے حس و حرکت بت تھا۔ جس سے ان کی زندگی میں نہ توانائی کی کوئی لہر اٹھتی تھی اور نہ اس سے وہ صالح زندگی کا کوئی ولولہ حاصل کرتے تھے۔

ان کا اسلام سرتا پا ایک سجا سجایا مندر تھا۔ جہاں بے فیض سجدہ ریزی اور لا حاصل قیام وقعود کے سوا کچھ بھی نہ تھا۔ انھوں نے دوسروں پر بت پرستی کے الزام لگائے۔ لیکن خود اپنی غرض کے بتوں کو پوجتے رہے۔ اور شرک کے ان پھندوں میں مذہبی اجارہ داری اور تقدیر کے نام پر سب کو پھنسائے رکھا۔ خلوص بے غرضی۔ اور للّٰہیت کے الفاظ ان کی ڈکشنریوں میں موجود ضرور تھے۔ لیکن بے معنی ومفہوم!!

مگر مسلمان قوم میں سب بت پرست ہی نہ تھے۔ اس میں بت شکن بھی بے شمار ہوئے ہیں۔ محمود غزنوی کے سے نہیں بلکہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے بت شکن۔ جن کو اگرچہ بت پرست مولوی مشرک کہتے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انھوں نے دنیا میں جہاں تک ہو سکا، ہر قسم کے بتوں کو توڑا اور سرنگوں کیا۔ مولویوں کے بت بھی ان کے سامنے نہ بچ سکے۔ اس لئے مولویوں کا سارا غصہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ جیسے موحدوں پر صرف ہوا۔

انھوں نے لا الہ الا اللہ اور ایکو پرم دوتیو ناستی کا سبق پڑھایا اللہ کی بندگی اور عبادت کو سب سے افضل قرار دیا۔ ان کی راتیں تکیوں اور بستروں کے بجائے سجدوں اور قیاموں میں صرف ہوئیں۔ مسجدوں میں پانچ وقت کی حاضری آخر وقت تک ناغہ نہیں ہوئی۔ ان کا کوئی سانس ذکر الٰہی سے خالی نہیں ہوتا تھا ان کا کام صرف یہ تھا۔

© https://www.khwajahasannizami.life

از بہر تو میرم دز برائے تو زیم!

(تیرے ہی لئے مرتا ہوں اور تیرے لیے ہی جیتا ہوں)

ان کی زندگی عبادت اور خدمت میں بسر ہوئی اور ان کی موت اللہ تعالیٰ سے وصال کا مژدہ بن کر نمودار ہوئی۔ مگر انھوں نے اللہ کی اس ساری عبادت اور محبت کو بت نہ بننے دیا۔

محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے کہہ دیا کہ روزہ نماز وغیرہ قسم کی عبادتوں سے صرف اپنی ذات کو فائدہ پہنچتا ہے اس لئے ان کا ثواب اتنا نہیں ہے جتنا ثواب خدمت خلق میں ہے۔ خدمت خلق بھی عبادت ہے۔

اور اس کا ثواب زیادہ ہے۔ انھوں نے دنیا چھوڑ کر جنگلوں اور پہاڑوں میں عبادت کرنے کو کوئی، اعلی چیز نہیں سمجھا۔ ان کا ارشاد تھا کہ یہ کام تو ایک بڑھیا بھی کر سکتی ہے۔ مردوں کا کام یہ ہے اور خدا پرستی اس طرح ہونی چاہیے کہ کھاؤ، پیو، پہنو۔ اوڑھو۔ دنیا کے کاموں میں حصہ لو۔ اور ان سب دھندوں میں خدا سے غافل نہ ہو۔ جو کچھ کماؤ اسے خرچ کر دو جمع نہ رکھو۔ خدا پرستی کی اس تعلیم نے ابلیس کی عبادت کے بت کے ساتھ ساتھ دنیا داری اور ترک دنیا دونوں کے بتوں کو توڑ ڈالا۔ کیونکہ جو دنیا دار تھے وہ اس درجہ اس میں مبتلا تھے کہ دنیا ہی ان کا خدا بن گئی تھی۔ اور جنھوں نے دنیا کو چھوڑ کر بن باس لیا تھا۔ ان کی عبادت ایسی تھی جس کا مقصد خدا سے زیادہ خود عبادت تھا۔ وہ خدا کے بقیہ سب احکام کو بھول گئے تھے۔ بس رات دن سب کام چھوڑ کر اس کا نام جپتے تھے۔ ان کے سامنے سے خدا ہٹ گیا تھا۔ اور عبادت بت بن کر آگے کھڑی ہو گئی تھی۔

محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے جو کچھ کہا وہ کر کے بھی دکھایا۔ اور اس طرح اپنی ذات کو بت نہ بننے دیا۔ بت خود کچھ نہیں کرتا۔ اس کے پجاری سب کچھ کرتے ہیں۔ لوگوں نے ان کے آگے آ کر سجدے کئے۔ لوگ سمجھے محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ بھی بت بن گئے۔ مگر محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کی زبان سے جب یہ تعلیم دی گئی کہ میں خود کچھ نہیں ہوں۔ میرا پیر مجھ سے بڑا ہے۔ اور میرے پیر بیان کرتے تھے کہ ان کے پیر کا مرتبہ ان سے زیادہ ہے۔ یہاں تک کہ سلسلہ در سلسلہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ "میں خدا کا بندہ اور پیغمبر ہوں۔ اور عبادت کے سب سجدے اسی کو زیبا ہیں۔ جب محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ وسلم نے ہزاروں آدمیوں کو عمدہ عمدہ کھانے کھانے کے وقت خود روکھی سوکھی کھائی۔ ہر قسم کا اقتدار حاصل ہونے کے باوجود دنیا داری کی کوئی راحت نہ خود حاصل کی اور نہ اپنی روحانی سلطنت کے کسی عہدے دار کو اس کی اجازت دی۔ جب وہ اپنے عقیدت کیشوں کے سونے کے وقت جاگتے رہے۔ ان کی تکلیفوں کو اپنے اوپر طاری کرتے رہے۔ اپنی ساری روحانی اور جسمانی صلاحیتوں کو ان کے لئے صرف کرتے رہے خود تو محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ تھے تو اپنے غلاموں کو بھی محبوبیت اور مقبولیت کے راستے پر لا کر کھڑا کر دیا۔ یہیں ان کی زندگی میں اس قسم کے واقعات نظر آتے ہیں کہ امیر خسرو کے نانا راوت عرض کے ہاں مقیم ہیں۔ امیر خسرو اپنی جاگیر پہ چلے گئے۔ ان کے نانا نے محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ سے کہا کہ اب آپ اپنے قیام کا کہیں اور انتظام کیجئے۔ حضرت ایک مسجد میں اُٹھ آئے ہر معتقد عرض کرتا ہے کہ سرکار میرے ہاں تشریف لے چلیں۔ حضرت فرماتے ہیں کہ تم بھی اپنی جاگیر پر چلے جاؤ گے اور تمھارے گھر والے مجھے سے علیحدہ انتظام کرنے کے لئے کہیں گے۔ میں اب خدا کے گھر میں آیا ہوں جہاں سے کوئی نکالا نہیں جاتا اور بعد میں حضرت کا یہ ارشاد بھی ہوتا

© https://www.khwajahasannizami.life

ہے کہ لوگوں کے ہاتھ پیر چومنے سے اندیشہ تھا کہ میرے اندر بت نہ بن جائے۔ اللہ تعالیٰ نے راؤت عرض کے ہاں سے نکلوا کر میرے اندر کے اس بت کو بننے سے پہلے ہی توڑ ڈالا۔

ان سب حالات اور واقعات کی موجودگی میں کوئی کیسے کہہ سکتا ہے کہ محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ بت پرستی کرتے تھے اور کراتے تھے۔ یہاں تو وہ ہم کو ہر قسم کے بتوں کو توڑتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

ایک بت تقدیر کا بھی تھا جو لوگوں کو کوشش اور جدوجہد سے روکتا تھا اور ناکامیوں کے وقت یہ یقین دلا کر مایوسی پیدا کرتا تھا کہ تقدیر کے آگے انسان ہے بس ہے۔ محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے بتایا کہ جس چیز کو تقدیر کا حکم کہا جاتا ہے، اس کو اللہ کے نام کی برکت سے بدلا جا سکتا ہے۔ مگر انسان بتوں کا ایسا شیدا ہے کہ اس نے اللہ کے نام کی اس برکت کو بھی بت بنا لیا اور ایسی نمازیں پڑھنے لگا جن سے موت نہ آئے۔ محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے اس بت کو بھی توڑا۔ اور فرمایا کہ فلاں فلاں نفل نمازیں ایسی ہیں کہ اگر انھیں سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا جائے اس سال آدمی کو موت نہیں آتی۔ لیکن فلاں شخص جو یہ نمازیں پڑھا کرتا تھا۔ ایک سال کسی وجہ سے یہ نمازیں نہ پڑھ سکا۔ اور اسی سال مر گیا۔ ایک اور بزرگ جو ان نمازوں کے عادی تھے۔ زندگی سے اکتا گئے۔ اور ان نمازوں کو چھوڑ یا اور انتقال کر گئے!

محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ نے تعصب کے بت کو بھی پارہ پارہ کر دیا۔ غیر مسلموں کو گلے لگایا۔ اپنے پاس بٹھا کر انہیں کھانا کھلایا۔ ان سے محبت کی۔ ان سے ان کی رسم کے موافق ملے۔ حتیٰ کہ ایک غیر مسلم کو اپنے مذہب کے طریقے پر عبادت کرتے دیکھ کر فرمایا۔

ہر قوم راست راہے دینے وقبلہ گاہے

(سیدھے راستے پر چلنے والی ہر قوم ایک دین اور ایک قبلہ رکھتی ہے)

لیکن اس وسیع النظری اور وسیع القلبی اور انسان دوستی کو انھوں نے بت نہ بننے دیا۔ وہ مسلسل اسلام کی تبلیغ کرتے رہے۔ خدا اور اس کے رسول کی تعلیم کو دوسری قوموں تک پہنچاتے رہے اور جس چیز کو اپنے لئے اچھا سمجھتے تھے۔ اس سے دوسروں کو آشنا اور بہرہ مند کرنے میں ساری عمر بتا دی۔

حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کو جاگیر۔ زمینداری اور باغات پیش کئے گئے۔ مگر حضرت نے انھیں قبول نہ فرمایا۔ بادشاہ نے حضرت کے پاس آنا چاہا۔ حضرت دہلی چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے۔ بادشاہ نے حضرت سے سیاسی مشورے مانگے۔ حضرت نے فرمایا یہ میرا کام نہیں ہے۔ لیکن حضرت کے دسترخوان پر ہزاروں آدمیوں نے نفیس غذائیں نوش کیں۔ بے شمار لوگوں نے حضرت کی خانقاہ سے اعلیٰ لباس اور روپے حاصل کئے۔ حضرت کے اصطبل میں سونے کی میخوں سے گھوڑے باندھے گئے مگر ان کو باندھتے وقت یہ بھی کہا گیا کہ

کجا انداختم در دل گیر انداختم در گل

(میخیں دل میں نہیں، مٹی میں گاڑی گئی ہیں)

بادشاہ نے غلط روی اختیار کی۔ غیر مسلم رعایا کے ساتھ نامناسب سلوک کیا۔ حضرت نے اس کو فوراً اپنے مریدوں کے ذریعے ٹوک دیا حضر ملاؤں سے بحث مباحثے کو ناپسند کرتے تھے۔ لیکن جب حد گزر گئی۔ تو وہ شریعت کے دربار میں گئے اور مولویوں کو معقول دلائل سے لاجواب کر دیا۔ غرض یہ کہ ان کے دین حنیف

نے آلودگی وسبک ساری ترک واختیار، غرض و بے غرضی، اصول و بے اصولی کے سب بتوں کو پاش پاش کردیا۔ یہاں مثال دینی غلط ہے۔لیکن اس کے بغیر بات سمجھائی نہیں جاسکتی۔علماء ظاہر میں بے شمار ایسے ہوئے اور آج کل بھی ہیں جنہوں نے اصول پرستی کی مٹی اس طرح پلید کی کہ وفاداری اور یگانگت کی خاطر غلط باتوں کو دیکھتے رہے۔ سنتے رہے۔ برداشت کرتے رہے۔ یہاں تک کہ برائی پھیل گئی اور جب برائی پھیل گئی تو انہوں نے منہ کا قفل کھولا۔اور جلے پھپولے پھوڑ کر اپنی نام نہاد وفاداری اور یگانگت کا خاتمہ کر دیا۔ جو حق گوئی کے دعوے کرتے ہیں۔ بڑے علم طمطراق سے سوسائٹی کی اصلاح اور اسلامیت کے نعرے لگاتے ہیں۔کونے کونے میں عیب ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔ان کے قلم کی روانی اور زبان کی تیزی کا ٹھکانا نہیں ہے۔مگر اقتدار کی آنکھیں بدلتے ہی سیاست کا رخ پلٹتے ہی۔دولت کی چھاچھم سن کر ان کا رنگ ہی بدل جاتا ہے۔نہ وہ عیب جوئی رہتی ہے نہ اصلاح کے نعروں کا وہ انداز ہوتا ہے۔ان کے قلم رک جاتے ہیں اور زبانیں بند ہوجاتی ہیں اصولوں کے جن بتوں کی کل تک پوجا تھی، آج وہ طاق نسیاں پر رکھ دیئے جاتے ہیں۔ اور نئے صنم تراش لئے جاتے ہیں۔سچا بت پرست تو ایک بت کو پوجتا ہے۔لیکن یہ بت شکنی کے دعوے دار، غرض کے بندے ہر روز ایک نیا بت گھڑتے ہیں۔

محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ ساری عمر بتوں کو توڑتے رہے۔ ان کے جانشینوں نے بھی بت شکن جاری رکھی لیکن افسوس کہ بعض کم فہم حضرات خود غرض بت پرستوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہوکر اس بت شکنی کو سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، اور اپنے اندر کے اور اپنے باہر کے بے شمار بتوں کی موجودگی میں صوفیوں کو بت پرست خیال کرتے ہیں۔ جب ہی تو حضرت اسمعیل شہید جیسے بزرگ درگاہ حضرت محبوبِ الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے پاس سے گزرے تو کہا کہ سکھوں کی مہم سے فارغ ہوجاؤں تو اس بت خانے کو بھی ڈھادوں گا۔مگر بت شکنی کے اس مرکز ----- درگاہ ---- محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کا تو کچھ نہ بگڑا اور پنجاب میں سکھوں نے حضرت اسمعیل جیسے بزرگ کے جسمانی بت کو توڑ ڈالا۔اور اس ایک بت کے ٹوٹ جانے سے ان کو شہادت کا مرتبہ مل گیا۔اس واقعے کی روشنی میں ذرا ان شہادتوں پر غور کیجئے جو محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کو اسمعیل شہید کی طرح ایک دفعہ اور پوری طرح جانے بوجھے بغیر نہیں بلکہ رات دن میں معلوم نہیں کتنی مرتبہ جانتے بوجھتے، اپنی کوشش سے تسلیم رضا کے ساتھ میسر آئی تھیں۔اس بت شکنی اور تسلیم و رضا کی ان شہادتوں ہی کی وجہ سے ان کو ایک نہیں بے شمارہ ہر زمانے میں نئی اور ہمیشہ تابندہ رہنے والی زندگیاں ملتی رہیں۔

کشتگان خنجر تسلیم را

ہر زمان از غیب جانے دیگر است

(خنجر تسلیم کے شہیدوں کو ہر زمانے میں ایک نئی زندگی ملتی ہے۔)

کاش کہ ہم بھی اپنے اندر کے اور اپنے باہر کے ان بتوں کو توڑنے کے قابل ہوسکیں، جو اصلی خدا پرستی اور زندگی بخشنے والی شہادتوں کی راہ میں حائل ہیں۔

(ماخوذ از: ماہنامہ منادی نئی دہلی اگست 1959ء)

☆☆☆☆

فوائد الفواد

ملفوظات سلطان المشائخ حضرت محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ

از صاحب الفضل حضرت حسن علا سجزی رحمتہ اللہ علیہ

ترجمہ: حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلی رحمتہ اللہ علیہ

طریق بیعت:

ان لوگوں کی بات آئی جو طریق بیعت نہیں جانتے اور بعض ایک کی بیعت کرتے ہیں پھر کسی دوسرے سے وابستہ ہو جاتے ہیں۔ اور بعض مشائخ کے مزاروں سے مرید ہوتے ہیں۔ اس درمیان غلام (حسن علا سجزی رحمتہ اللہ علیہ) نے عرض کی بعض لوگ مشائخ کی قبر کی پائینتی جاتے ہیں اور سر منڈاتے ہیں اور مرید ہو جاتے ہیں۔ کیا یہ بیعت درست ہوتی ہے؟

فرمایا، نہیں! پھر حکایت بیان فرمائی کہ شیخ الاسلام فرید الدین قدس اللہ سرہ العزیز کے ایک فرزند تھے سب فرزندوں سے بڑے۔ وہ شیخ الاسلام قطب الدین بختیار قدس اللہ سرۃ العزیز کی قبر کی پائینتی گئے اور محلوق ہوئے (سر منڈایا) یہ خبر شیخ فرید الدین نور اللہ مرقدہ کو تک پہنچائی گئی۔ ارشاد ہوا شیخ قطب الدین طیب اللہ سراہ ہمارے خواجہ اور مخدوم ہیں۔ لیکن یہ بیعت درست نہیں ہے۔ ارادت اور بیعت تو وہ ہوتی ہے کہ کسی شیخ کا ہاتھ تھاما جاتا ہے، واللہ اعلم بالصواب

تربیت مرید:

زبان مبارک سے ارشاد فرمایا کہ ایک شیخ تھے بزرگ، کوئی شخص ان کی خدمت میں آیا ارادت ظاہر کی اور بیعت ہو گیا۔ اور خرقہ پایا جیسا کہ اس کام کی رسم ہے۔ کچھ عرصے بعد شیخ کو خبر ملی کہ وہ مرید فساد میں مشغول میں ہو گیا ہے اور جو گناہ (مرید ہونے سے پہلے) کیا کرتا تھا۔ پھر کرنے لگا ہے۔ شیخ نے جب یہ بات سنی تو اس مرید کے گھر گئے اور اس سے کہا کہ آؤ میرے گھر میں آ کر رہو جو کچھ کرو میرے گھر میں کرو کہ درویشی جامع خیرات ہے۔ اور پردہ پوشی بھی، درویشی کی صفات میں سے ایک صفت ہے غرض یہ ہے کہ جو کچھ میرے گھر میں کرو گے میں اس کی پردہ پوشی کروں گا۔ مرید نے جب یہ بات سنی شیخ کے پیروں میں سر رکھ دیا اور تجدید بیعت کی اور پکی توبہ کر لی۔ والحمد للہ علی ذالک

اس حکایت کے پورا ہونے پر بندے نے عرض کی پیر کا مرید کے احوال پر نظر کرنا ضروری ہے اگر مرید کے اعمال پر نگاہ نہیں ڈالے گا تو اس کے عمل کا کیسے پتہ چلے گا۔ لیکن اگر (مریدوں کے) عالم اعتقاد کو دیکھے گا اور مرید کے اعتقاد کو درست پائے گا تو مرید کے لیے (بہت کچھ) امید ہے۔

ارشاد ہوا کہ ہاں! اس کام میں اصل اعتقاد ہے۔ جیسا کہ عالم ظاہر میں اصل ایمان ہے۔ مرید کو چاہیے کہ خدائے عزوجل کی وحدانیت اور رسالت رسول علیہ السلام پر ایمان درست رکھے۔ اور مرید کو یہ بھی چاہیے کہ پیر کے حق میں اعتقاد درست رکھے۔ جب مومن کا ایمان درست ہوتا ہے تو وہ بعض گناہ سے کافر نہیں ہو جاتا اور مرید بھی جب اس کا اعتقاد درست ہوا گر اس سے کوئی لغزش ہو جاتی ہے تو اس پر ارتداد کا حکم نہیں لگایا جاتا۔ امید رہتی ہے کہ اعتقاد کی برکت سے پھر صلاح کی طرف لوٹ آئے گا۔

© https://www.khwajahasannizami.life

تحکیم:

ارشاد ہوا کہ جب کوئی پیر سے ناطہ جوڑ لیتا ہے۔اور مرید ہو جاتا ہے تو اس کو تحکیم کہتے ہیں یعنی اپنے پیر کو خود پر حاکم بنا لیتا ہے۔ پس اگر پر جو کچھ کہے اور مرید اس پر عمل نہ کرے تو یہ تحکیم نہ ہوگی۔۔۔۔۔ پھر ارشاد ہوا کہ پیر جو کچھ فرمائے مرید کو چاہیے کہ وہی کرے۔اس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی آیا ہے کہ پیر اگر ایسی بات فرمائے جو نامشروع ہو تو مرید کو وہ کام کرنا چاہیے یا نہیں۔اس کے یہ معنی بیان فرمائے کہ پیر ایسا ہونا چاہیے جو احکام شریعت وطریقت و حقیقت کا عالم ہو اور جب پیر ایسا ہوگا تو وہ خود ہی کوئی نامشروع بات نہیں کہے گا اور اگر کوئی ایسی بات کہے گا کہ جو مختلف فیہ ہوئی۔ یعنی بعض کے نزدیک وہ جائزہ ہوگی اور بعض کے نزدیک جائز نہ ہوگی۔ پس (ایسی صورت میں) مرید کو وہی کرنا چاہیے جو پیر نے فرمایا ہے۔کیونکہ وہ کسی کے قول کے مطابق ہی یہ حکم دے گا اگر چہ کہ بعض کو اس میں اختلاف ہوگا۔لیکن مرید کو پیر کے اشارے کے مطابق ہی کام کرنا چاہیے۔

(ماہنامہ منادی نئی دہلی، جلد59، شمارہ12)

کشکول کلیمی، لقمہ(2)

از: حضرت شیخ کلیم اللہ جہان آبادی رحمۃ اللہ علیہ

کتب سلوک میں ہر مقام کے ایسے ایسے اوصاف اور خصوصیات درج ہیں کہ تم ان میں سے جس پر نگاہ ڈال کے تمھارا جی چاہے گا کہ بس وہی ٹھہرے رہو۔تم اپنی تمام تربیت اس مقام کے حصول میں صرف کرنے پر آمادہ ہو جاؤ گے اور اسے حاصل کئے بغیر تمھیں چین نہیں پڑے گا۔لیکن کہا جاتا ہے: طلب الکل فوت الکل۔ چنانچہ تم اسی تذبذب میں گرفتار ہو گئے کہ تمہارے پیش نظر کونسا مقام ہے اور کس کی مشق کو مقدم رکھا جائے۔علاوہ ازیں ہر مقام کو اختیار کرنے اور دوسرے مقام کی خاطر، اس کا ایثار کرنے میں جداگانہ شان ہے۔

لیکن اس ناچیز کے نزدیک اولی یہ ہے کہ سالک فرائض، سنن موکدہ اور سنن زواید کی ادائیگی کے بعد پوری ہمت کے ساتھ (کلمہ) توحید کی مداومت کرے اور ذکر وفکر اور انس کے مقام پر ثابت قدم رہے۔اسے چاہے کہ کچھ عرصہ کثرت نوافل، تلاوت قرآن پاک، تسبیح، اوراد و وظائف اور اسی قسم کے دوسرے امور وثواب کا ذخیرہ کرنے میں منہمک رہے۔اسے یہ بھی لازم ہے کہ ہر طرح کی عبارت آرائیوں اور اشارتوں سے کنارکش رہے اور اعمال خیر کی ظاہری تزئین سے دامن بچا کر رات دن اپنی ہستی موہوم کو مٹانے اور فنا کرنے میں کوشاں رہے۔ یہاں تک کہ عنائت ازلی کی کشش اسے اس کی خودی میں سے نکال کر فنا فی اللہ کی سرحد تک پہنچا دے اور پھر وہاں سے بقاء البقاء کی جانب لے جائے تب سالک (حق تعالیٰ کی ذات) کو دیکھے گا اور اس کی صفات آثار اور افعال کا نظارہ کرے گا۔

سالک کو لازم ہے کہ ہر وہ عمل جو اس کام میں اس کو مدد دے، اختیار کرے اور جو بات حصول مقصد کی راہ میں اس کے سامنے رکاوٹ بنے، اس سے بچے۔ ہر صاحب شغل کا یہی طریقہ ہے اور تمام سلاسل اس بات پر متفق ہیں۔لہذا طالب وصل کو وہ شغل اختیار کرنا چاہئے جو اسے اس کی خودی سے نجات دلائے اور جیسا کہ ہم اوپر یہ کہہ چکے ہیں، اس باب میں ذکر وفکر سے بڑھ کر کوئی شئے نہیں ہے البتہ ذکر کی بعض قسموں کو بعض دوسری قسموں پر مقدم رکھنا ضروری ہے کیونکہ یہ ترتیب مشائخ کرام نے اسی طرح سے قائم فرمائی ہے۔

© https://www.khwajahasannizami.life

وجودِ خدا

از : ڈاکٹر سرشانتی سروپ بھٹناگر

''کسے معلوم تھا کہ اس نظم کی اشاعت سے پہلے بھٹناگر صاحب اس دنیا سے کوچ کر جائیں گے۔ بھٹناگر صاحب ہندوستان کے مایہ ناز سائنس داں تھے اور یہ بڑے تعجب کی بات ہے کہ وہ دہریت اور مادہ پرستی کے مبلغ ہونے کے بجائے بڑے خدا پرست تھے۔ اس کا اندازہ اُن کے مندرجہ ذیل عارفانہ کلام سے کیا جاسکتا ہے۔ کیا خبر اُن کی نجات کے لئے یہ نظم ہی کافی ہو۔ ڈاکٹر بھٹناگر صاحب کا انتقال ابھی حال میں دہلی میں ہوا۔''

وہ ذاتِ واحدٗ وہ حُسنِ یکتا کہ شمع پروانۂ یقیں ہے
ہماری ہی زندگی ہے دائم، ہماری ہی ذات جاوداں ہے

جو ذرّے ذرّے سے جلوہ افشاں تو ریشے ریشے میں جاگزیں ہے
ہمیں تو ہیں سازِ صبحِ اوّل ، ہمیں تو ہیں سوزِ شامِ آخر

نقاب شامِ خزاں اُلٹ دے تو داغِ لالہ سرشکِ شبنم
ہمیں سے رنگِ ازل میں شوخی، ہمیں سے حُسنِ ابد جواں ہے

حجاب صبحِ بہار اُٹھادے تو بوئے گل رُوحِ آنگبیں ہے
قصورِ عقل وخرد ہے ورنہ خدا نہیں ہے خدا نہیں ہے

کہیں دل افروز لالہ گل، کہیں جگر سوز دیدہ ودل
عجیب نافہم و کج خرد ہیں وہ لوگ قائل ہیں جو خدا کے

کہیں نسیم بہارِ ہستی ، کہیں دمِ مرگ آفریں ہے
تلافیٔ ہر گناہ جو کر چکے ہیں دستِ دُعا اُٹھا کے

غرض جو ہو چشمِ دل میسّر تو اس کا جلوہ کہاں نہیں ہے
اگر وہی رُوحِ خاروگل ہے اگر وہی اصل جام ومُل ہے

مگر کل اک شخص کہہ رہا تھا ، سنو کہ دل میرا راز داں ہے
اگر وہی وجہ جزو وکل ہے تو اس کو دکھلائے کوئی پاکے

خدا حقیقت میں حُسن ظن ہے، خیال ہے، وہم ہے گماں ہے
خدائے نادیدہ مثلِ عنقا کوئی خیالی پرند ہوگا

غمِ حیات ومات کیسا؟ یہ بحثِ ذات و صفات کیسی؟
خیالِ شاعر نے جس کو بے پر اُڑادیا اپنے پر لگاکے

یہ قول صادق ہے معتبر بھی خدا نہیں ہے خدا نہیں ہے

یہ صُبح روشن، یہ شام رنگیں ، یہ رُوئے گل ، یہ جبیں اختر
ہوا مِرے دل کا آئینہ بھی غبارِ شک سے ذرا مکدّر

مطیعِ آئین نیچری ہیں، ہے سب کی پروردگار نیچر
گیا میں نیچر کی کارگاہ میں برائے تحقیق دینِ نیچر

ذراسی گنجائش تغیر ، نہ خطرۂ انقلاب اصلا
صبا کی وہ عطر بیز شوخی، گلوں کا وہ برق زا تبسم

جو اس کا قانون ہے مدلّل ، جو اس کا دستور ہے مقرر
وہی فسوں گاہِ لالہ وگل، وہی چمن زارِ دیدہ ودِل

وہی جمالِ بہار آرا ، وہی بہارِ جمال پرور
سنو میسّر جو گوشِ دل ہو خدا نہیں ہے خدا نہیں ہے

© https://www.khwajahasannizami.life

دلِ طرب آشنا کی قسمت، نگاہِ مے نوش کا مقدّر
فضا کی رنگینیوں میں کھوکر، کلی نے اپنی زبان کھولی
چمن کی خاموش چاندنی میں ، کہا یہ غنچے نے مسکراکر
مجھے بغورِ تمام دیکھو خدا یہیں ہے خدا یہیں ہے

نظر پڑا ایک پھول، میں نے کہا، غضب کا تو نازنیں ہے
شرابِ تنویر جس میں ڈھالی گئی وہ ساغر، وہ ساتگیں ہے
اگر تجھے کچھ خبر ہو مجھ کو بتا وجود خدا کی بابت
تجھے بھی کیا ہستئ خدا میں ہنوز شک ہے یقیں نہیں ہے
کہا مرا گو خمیر نیچر سے ہے، مگر یہ مری لطافت
جو باعثِ زینتِ چمن ہے عطیۂ غیب بالیقیں ہے
یقیں نہ ہو تو نظر اُٹھاؤ خدا یہیں ہے خدا یہیں ہے

یہ سُن کے میں نے کہا صبا سے چمن کو تو وجہ پرورش ہے
جوابِ باغ ارم ، خیاباں نظیر، خلدِ بریں روشن ہے
مجھے تعجب ہے تیری اس ہر گھڑی کے اندازِ جستجو پر
ترے بھی دل میں مری طرح کیا خدا کی تحقیق کی خلش ہے
کہا اگر چہ ظہور میرا ہے فیضِ نیچر کا اِک نمونہ
مگر وہی اک وجود میرے وجود کا مرکزِ کشش ہے
اگر تمھیں آرزو ہے دیکھو خدا یہیں ہے خدا یہیں ہے

صبا نے پھر گل کی معرفت یوں کہا، اگر آپ چھوٹ جانیں
زبانِ بلبل سے چل کے سُن لیں ہزار قدرت کی داستانیں
سرود و نغمہ کی رہبری میں چراغِ جذب واثر جلاکر
میں پہنچا اُس گوشۂ چمن میں اُڑا رہی تھی جہاں دوتانیں
کچھ اس طرح تھی وہ نغمہ پیرا کہ ساز سے سوز تھا ہویدا
جو داتھا ہر گوش لالہ وگل، تو بند کلیوں کی تھیں زبانیں
لہک لہک کر وہ کہہ رہی تھی خدا یہیں ہے خدا یہیں ہے

پہنچ کے نیچر کی کارگاہ میں جو میں نے یہ اہتمام دیکھا
گلوں کو نظارہ کوش، موجِ نسیم کو ہم کلام دیکھا
شکست منکر مزاجیوں کو ہُوئی ، حدِ انحراف ٹوٹی
خدا کے جلوؤں میں غرق ذرّوں کو رشکِ ماہِ تمام دیکھا
ہرایک شئے پر نظر ہے جس کی، نظر ہے جس پر ہرایک شے کی
اُسی کو رُوحِ خواص پایا اُسی کو جانِ عوام دیکھا
میں ہوکے بیخود پکار اُٹھا خدا یہیں ہے خدا یہیں ہے

یہ سازِ پُر سوز جس کی ہر لے میں اک قیامت کی دلکشی ہے
ثبوت ہے اُس خدا کا جس سے ہمارا رشتہ بڑا قومی ہے
تعلق نیچری ہے جس سے وہ چیز مبہم ہے اور فانی
یہ بال و پر بے ثبات ہیں تو یہ جسم مجبور عارضی ہے
مگر نوائے سروش پرور کا حُسنِ تاثیر غیر فانی
کہ جس سے اُلفت کی آگ اکثر بجھی ہوئی پھر بھڑک اُٹھی ہے
اگر ہے واچشمِ دل تو دیکھو خدا یہیں ہے خدا یہیں ہے

وہ بچہ شیر خوار جس پر حیات کو پیار آرہا ہے!
یہ جانے کیا یاد کررہا ہے، نہ جانے کیوں مسکرارہا ہے
نگاہِ معصوم میں کوئی شئے تڑپ رہی ہے شعور بن کر،

© https://www.khwajahasanizamilife

لب شگفتہ کی شوخیوں پر رباب ہستی بجارہا ہے
ہے اس کی دنیا کا غنچہ غنچہ اگر چہ اِک چشم خواب آلود
مگروہ پھر بھی ہمک ہمک کرکسی سے باتیں بنارہا ہے
خدا سے اُس کی ہے ہم کلامی خدایہیں ہے خدایہیں ہے

کسی کا شمس و قمر پہ ایماں ، کوئی ستاروں کو پوجتا ہے
جھلک رہا ہے جونور ان میں اُسی کو سمجھے ہوئے خدا ہے
کسی کے معبود آب و گل ہیں کوئی پرستارِ آب وآتش
کسی کا تقدیر پر عقیدہ کسی کی تدبیر رہنما ہے
گروکسی کا ہے عقل کل تو کسی کا ہے پیر نورِ اوّل
غرض ہراک شخص اصل میں اِک بزرگ قوت کو مانتا ہے
یقیں نہ پھر کس طرح ہو مجھ کو خدایہیں ہے خدایہیں ہے

”وہ“

وہ کعبہ کی چادر میں منھ چھپائے موجود تھا، وہ مدینے کے سبز غلاف پر صاف جھلک رہا تھا اُس نے تجھ کو اجمیری صندل میں خوشبو بن کر اور دہلی کے نظام الدینؒ میں نظام المشائخ ہوکر پکارا۔ مگر تیرے کان میں سائنس اور فلسفہ اور نئے زمانہ کے ہوا و ہوس نے پردے ڈال رکھے تھے تو اُس کی آواز بے صوت کو کیونکر سنتا۔؟

(شمس العلماء مصورِ فطرت حضرت حسن نظامیؒ)

رہنما کی ضرورت

مولانا سراج الدین حافظ بدایونی رحمتہ اللہ علیہ نے حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ سے پوچھا کہ کیا یہ حدیث (شریف) ہے کہ: جس کا کوئی پیر نہ ہو اس کا پیر شیطان ہوتا ہے۔ حضرت نے ارشاد فرمایا کہ ”یہ مشائخ کا قول ہے“۔ مولانا سراج الدین رحمتہ اللہ علیہ نے دوبارہ پوچھا کہ کیا یہ رسول (علیہ الصلوۃ والسلام) کی حدیث ہے کہ: جو شخص کسی فلاح پہنچانے والے کو نہیں دیکھتا وہ کبھی فلاح کو نہیں پہنچتا؟ فرمایا کہ "یہ بھی مشائخ کا قول ہے۔"

اس موقع پر حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے ایک درویش کا ذکر فرمایا کہ اگر وہ کسی ایسے آدمی کو دیکھتا جو کسی کا مرید نہ ہوتا تو کہتا یہ کسی کے پلے میں نہیں بیٹھا! حضرت خواجہ حسن علاء سجزی رحمتہ اللہ علیہ نے عرض کیا کہ گویا وہ وزن نہیں رکھتا؟ فرمایا کہ نہیں۔ اس کے معنی ہیں کہ ہر وہ شخص جو کسی پیر کا مرید ہوتا ہے تو جو کچھ وہ مرید کرتا ہے۔ کل (قیامت کے دن) وہ عمل اس پیر کے پلے میں ڈالا جائے گا۔ بس جو کسی کا مرید نہ ہو تو کہتے ہیں کہ فلاں کسی کے پلے میں نہیں بیٹھا ہے۔ یعنی اس کا کوئی پیر نہیں ہے۔

(تلخیص و ترجمہ: فوائد الفواد- از خواجہ حسن علاء سجزی رحمتہ اللہ علیہ)

© https://www.khwajahasannizami.life

حضرت خواجہ سید مہدی نظامیؒ

از : عبدالملک نظامی



حضرت خواجہ حسن نظامی رحمتہ اللہ علیہ اپنے بچوں کی پیدائش سے قبل ہی ان کے نام تجویز کردیے تھے اور اسے اپنے روزنامچے میں لکھ بھی دیا کرتے تھے۔ ۸؍دسمبر ۱۹۳۵ء کے روزنامچے میں لکھا کہ آپ کو پانچواں بیٹا تولید ہوگا اور اس کا نام مہدی رکھا جائے گا۔

حضرت خواجہ حسن نظامی رحمتہ اللہ علیہ ۸؍دسمبر ۱۹۳۵ء کے روزنامچے میں لکھتے ہیں کہ پانچواں بیٹا: آج شام کو رنگون کا سفر شروع ہوگا۔ میں حسب عادت اطمینان سے کام ختم کررہا ہوں۔ اگرچہ وہ اتنے زیادہ ہیں کہ میں سب کو پورا نہیں کرسکتا۔ اسلئے حسین کو یادداشت لکھوارہا ہوں۔

آج حسین نے ایک عجیب بات پوچھی۔ کہا آپ نے گذشتہ روزنامچے میں لکھا کہ آپ کے سفر کے دوران میں خواجہ بانو کے ہاں لڑکا پیدا ہو تو مہدی نام رکھا جائے اور لڑکی ہو تو زمزم۔ تو کیا آپ کو کئی دن پہلے یہ معلوم تھا کہ بچہ آپ کے سفر کے زمانے میں ہوگا آپ کے سامنے نہ ہوگا۔

میں نے کہا۔ ہاں یہ بات میں جانتا ہوں۔ حسین نے کہا اگر خدانخواستہ آپ بیمار ہوجائے اور سفر ملتوی ہوجاتا۔ اور بچہ آپ کے سامنے پیدا ہوتا۔ تو یہ پیشن گوئی دشمنوں کی ہنسی کا باعث ہوتی یا نہیں۔

یہ فقرہ سن کر میں ہنسا اور کہا کہ میں نے اس طرح کی پیش گوئی پہلی مرتبہ نہیں کی بلکہ پہلے بھی کرچکا ہوں اور اللہ کے فضل سے میری پیشن گوئیاں صحیح ثابت ہوتی ہیں۔ اس طرح مجھے پانچویں بیٹے کی نسبت بھی معلوم تھا کہ میرے سفر کے زمانے میں پیدا ہوگا۔ اس لئے میں روانہ ہونے کی جلدی کررہا تھا۔ چنانچہ آج جاتا ہوں اب بہت جلد اس کی ولادت ہوجائے گی۔

مہدی نام کی وجہ: میں نے حسین سے یہ بھی کہا کہ پرسوں مولانا حافظ محمد یعقوب صاحب گنگوہی میرا جی پوچھنے آتے تو چلتے وقت انہوں نے کان میں کہا کہ مہدی نام روزنامچہ میں پڑھ کر میں نے سمجھا کہ یہ آخری بچہ ہے۔ میں نے ہنس کر کہا۔ آپ نے ٹھیک سمجھا۔ حضرت مہدی بارہویں اور آخری امام تھے۔ اور میں جو اس معاملے میں ایک قسم کا جنون رکھتا ہوں آپ کی سمجھ کی داد دیتا ہوں۔ کہ یہ مہینہ بھی سال کا آخری ہے اور اس نام مہدی ہے اور یہ بچہ بھی آخری ہے۔

حسین سے میں نے کہا تم کو اخباروں اور مخالفوں کی نکتہ چینی اور ہنسی اڑانے کا ڈر ہوا ہوگا۔ بیٹا مجھے اس قسم کی باتوں سے صاحب کشف یا صاحب الہام بننا نہیں ہے۔ کیونکہ میرے دعوے کے بغیر ہزاروں آدمی میری نسبت عجیب وغریب عقائد رکھتے ہیں۔ اور مجھے ان کے ایسے عقائد سے کسی قسم کی خوشی نہیں ہوتی۔ کیونکہ ان

© https://www.khwajahasannizami.life

عقائد سے مجھ کو یا ان کو کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ میں تو یہ چیزیں روزنامچے میں اس واسطے لکھتا ہوں کہ مجھے اپنی فراست اور ذہانت اور دور بینی کے نتائج کا علم رہے۔ کہ جو باتیں میری فراست اور ذہانت کو محسوس ہوتی ہیں وہ کتنی سچی ہیں اور کتنی غلط ہیں اور مخالفوں کی ہنسی اور مخالفت تو کبھی ختم نہ ہوگی۔ یہ ان کی فطرت ہے اور ہزاروں برسوں سے چلی آتی ہے۔ اور چلی جائے گی۔ انسان کو اپنا کام جاری رکھنا چاہئے۔ دنیا کچھ بھی کہتی رہے۔

۱۰؍دسمبر ۱۹۳۵ء (برما) کے روزنامچے میں حضرت خواجہ حسن نظامی لکھتے ہیں کہ ''دہلی کا ٹیلیفون: صبح اندھیرا تھا اور میں سو رہا تھا۔ کہ نوکر بالاخانہ پر آیا کہ دہلی سے آپ کے نام ٹیلیفون آیا ہے۔ میں فوراً دفتر میں آیا۔ سید ابن عربی نے بات کی۔ اور کہا کہ رات کو ساڑھے دس بجے محمد مہدی پیدا ہوئے۔ زچہ بچہ دونوں خیریت سے ہیں۔ حسن، زید اور صادق اور کوثر نے سلام علیکم کہی۔ اور مجھے ان بچوں کی آوازیں سن کر بہت خوشی ہوئی۔ اور خواجہ بانو کی خیریت سن کر اطمینان ہوا۔''

ہفت روزہ منادی (۱۳؍دسمبر ۱۹۳۵ء) میں لکھا ہے کہ ''خوش خبری ۱۲؍رمضان المبارک دوشنبہ رات کے دس بجے حضرت خواجہ حسن نظامی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے پانچواں بیٹا عطا فرمایا۔ سید محمد مہدی نام رکھا گیا۔ حضرت خواجہ صاحب برما تشریف لے گئے ہیں۔ عید سے قبل واپسی ہوگی۔ ابن عربی''

منادی جلد ۵۶ شمارہ ۱۱ میں حضرت خواجہ صاحب کا روزنامچہ شائع ہوا جس میں مذکور ہے کہ ''مہدی کا شوق: میرے لڑکے مہدی کو تعلیم کا بہت شوق ہے۔ آج کہا سب بچوں سے پہلے ہم کو پڑھائیے۔ میں نے کہا کہ تم بچے نہیں ہو جواب دیا ہم تو فقط امام مہدی علیہ السلام ہیں۔ میں نے مہدی کو سورہ فاتحہ پڑھائی اور پانچ پشت تک نسب نام یاد کروایا۔ مہدی نے یہ نام جلدی یاد کر لیے اس کا اس کا حافظ بھی بُرا نہیں ہے۔

۱۲؍اگست ۱۹۴۶ء کے روزنامچے (منادی یکم ستمبر ۱۹۴۶ء) میں محترم عتیق احمد نگراں مدرسہ جامعہ ملیہ کی رپورٹ بنام خواجہ مہدی نظامی درج ہے۔

مہدی کی رپورٹ: درجہ سوم سے ترقی حاصل کر کے اس درجے میں آئے تھے ہمہ صفت موصوف ہیں۔ درجہ میں بہترین طالب علم ہیں۔ نہایت شریف اور سلیم الطبع ہیں۔ مدرسے کے اصول اور استاد کے حکم کے خلاف کوئی کام نہیں کرتے خوش رہتے ہیں۔ ہنستے ہنساتے بھی ہیں۔ ساتھیوں سے جھگڑا نہیں کرتے۔

اردو، حساب، معلومات، اسلامیات، حرفہ، ڈرائنگ سب مضامین میں اچھے ہیں استاد ان کی قدر کرتے ہیں۔ یہ بھی استادوں کا ادب اور احترام کرتے ہیں۔ پڑھنے میں اچھے ہیں۔ روانی سے سوچ سمجھ کر صحیح پڑھتے ہیں۔ لب ولہجہ اور تلفظ اچھا ہے لکھائی بہت اچھی تھی مگر براہو خارش کی بیماری کا کہ یہ ان کے ہاتھوں اور جسم کے دوسرے حصوں پر اس طرح لگی کہ عرصہ دراز تک یہ اس سے نجات نہ حاصل کر سکے چنانچہ اب لکھائی میں وہ بات نہیں رہی۔ امید ہے کہ کچھ عرصہ پھر مشق کرنے کے بعد خط خوشنما ہو جائے گا۔

''معلومات میں بہت اچھے ہیں اسلامیات کے کام میں بھی بوجہ علالت کچھ سست ہو گئے تھے۔ مگر ماہ جولائی میں سب کمی پوری کر کے اپنا نصاب پورا کر لیا۔ سورتیں یاد ہیں۔ اذکار، نماز دعائیں ترتیب وضو، ترتیب نماز سب یاد ہے۔ میلاد النبی ﷺ کے دنوں میں کافی کام کیا۔ ایک مضمون تیار کیا جو ریکارڈ میں موجود ہے۔ وہ مضمون بڑے جلسے میں پڑھا تھا۔ عام مجمع میں ابھی تقریر

کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتے، نظم اور ترانہ بھی نہیں پڑھتے مگر کہانیاں بہت دلچسپ پیرائے میں بیان کرتے ہیں۔ حرفے کے کام سے انھیں بہت دلچسپی ہے۔ جتنا کام کیا بہت اچھا، صاف ستھرا اور قابل تعریف کیا۔ کاغذ کاٹنے کا کام جتنا ان کا مکمل ہوا اس کی بہت تعریف کی گئی ہے۔ امید ہے کہ تعطیلات کے ایام میں تفریح کے ساتھ ساتھ لکھنے پڑھنے کا کام، ناظرہ قرآن پاک کا اور حساب کا کام بھی ضرور کرتے رہیں گے۔ اس طرح ان کی علالت کے دوران کی کمی پوری ہوجائے گی اور یہ اپنی اصلی پوزیشن درجے میں پھر حاصل کرلیں گے بہت صاف ستھرے رہتے ہیں اور مدرسے کی حاضری کے بہت پابند ہیں۔ عتیق احمد نگرں مدرسہ جامعہ ملیہ۔''

۲؍فروری ۱۹۵۵ء کے روزنامچے میں حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''بیعت'': ''مجھے اپنے بچوں سے جو محبت اور تعلق ہے وہ انسانی فطرت سے زیادہ نہیں ہے۔ لیکن خواجہ حسن ابو طالب اور ان کے چھوٹے بھائی خواجہ سید مہدی نظامی نے مجھ سے بیعت کی تو میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ان بچوں کے دلوں میں قدامت کی جو محبت رکھی ہے وہ غیر معمولی ہے کیونکہ موجودہ زمانے میں خیالات بہت بدل گئے ہیں۔''

۱۸؍شوال، ۱۰؍جون ۱۹۵۵ء کے روزنامچے میں حضرت خواجہ صاحب لکھتے ہیں کہ ''جمعہ کی نماز کے بعد قوالی ہال میں نیاز اور قوالی ہوئی، میں اس سے بھی محروم رہا۔ تاہم حسن ثانی نظامی اور سید مہدی نظامی نے بہت اچھی طرح میری قائم مقامی کی۔ اور بڑی پرکیف مجلس ہوئی۔

حضرت خواجہ نظام الدین محبوب الٰہیؒ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کے نواسے حضرت سید امام رحمتہ اللہ علیہ کو پاک پٹن سے دہلی بلایا اور جب کسی تقریب میں آپ اپنے ضعف کی بناء پر شرکت نہیں کر سکتے تو حضرت سید امام کو اپنا قائم مقام بنا کر روانہ کرتے تھے۔ اس سے خلافت کی دلیل ملتی ہے۔

بقول حضرت محمد مجیب حسن نظامی حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلی اکثر عرس تقاریب میں حضرت خواجہ سید مہدی نظامیؒ سے متعلق فرمایا کرتے کہ ''ان کا اکرام کرو کہ یہ حضرت خواجہ صاحب کے لاڈلے خلیفہ ہیں۔''

حضرت خواجہ سید مہدی نظامیؒ اپنے بڑے بھائی و جانشین محبوب محبوب الٰہیؒ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ کے دست راست تھے۔ دہلی میں تین بڑے عرس منائے جاتے دادی ماں حضرت خواجہ باتوؒ کے انتقال کے بعد چار عرس منائے جانے لگے۔ انکے انتظامات کی تمام تر ذمہ داری حضرت سید مہدی نظامیؒ نے اپنے سر لے رکھی تھی۔ آپ کی رحلت تک حضرت خواجہ حسن ثانی نظامیؒ جب کسی سفر پر جاتے تو درگاہ شریف اور مکان کی تمام ذمہ داری آپ پر سونپتے اور کہتے کہ مہدی میاں کی وجہ سے میں اطمینان کے ساتھ سفر کرتا ہوں۔

حضرت خواجہ سید مہدی نظامیؒ کو بچپن سے ہی مطالعہ کا بڑا شوق تھا۔ آپ نے اپنے پیرومرشد و والد محترم حضرت خواجہ کی زندگی ہی میں لکھنے کی ابتدا کردی تھی منادی فروری ۱۹۵۵ء میں آپ نے کیفیت عرس حضرت خواجہ نظام الدین والیؒ کے عنوان سے بڑے جامع انداز میں عرس کی رپورٹ جاری کی تھی۔ آپ نے مختلف عنوانات پر مضامین لکھے تصوف کے دقیق مسائل کی بڑے آسان و سہل الفاظ میں تشریح کی ہے۔ آپ نے آل انڈیا ریڈیو پر بھی تصوف کے مختلف عنوانات پر تقریریں کی ہیں۔ ماہنامہ منادی دہلی کے علاوہ آپ کے مضامین بہت سارے جرائد اور اخبارات میں

شائع ہوتے رہے ہیں۔

حضرت خواجہ حسن ثانی رحمتہ اللہ علیہ اپنے لاڈلے بھائی میاں مہدی کی شادی سے متعلق رقم طراز ہیں کہ ایک شادی ۱۹۶۷ء



میں مدینے کی دیکھی تھی عصر کی نماز پڑھے مسجد نبوی ﷺ کی طرف چلے تو ہمارے مالک مکان نے کہا کہ نماز کے بعد گھر آجایئے گا۔ میری لڑکی کی شادی ہے۔ اور اس میں آپ سب کو شرکت کرنی ہے۔ چنانچہ عصر کے بعد ہم لوگ قیام گاہ پر آکر منتظر رہے کہ اب کوئی شامیانہ لگتا ہوگا۔ اور اب فرش بچھے گا اور اب مہمان آئیں گے۔ اور اب دھوم مچے گی۔ مگر جب کچھ بھی نظر نہ آیا تو سوچا کہ ہندوستانی وقت شاید یہاں بھی چالو ہے اور بعد عصر کے مطلب بعد عشاء ہی سمجھنا چاہئے۔ تاہم احتیاطاً نشست اپنے کمرے ہی میں رکھی کہ چہل پہل نظر آئے تو محفل میں جاکر نکاح میں شریک ہوجائیں۔ مگر تھوڑی دیر میں کیا دیکھتے ہیں کہ دلہن کے والد ایک پلیٹ میں چند کھجوریں لئے چلے آرہے ہیں۔ پوچھا حضرت نکاح میں کیا دیر دار ہے؟ برات اب تک کیوں نہیں آئی؟ وہ ہنس کر بولے دیر کیا معنی؟ برات تو آبھی چکی۔ اور نکاح بھی ہوگیا اور شرکت کرنے والوں نے شرکت بھی کرلی اور خیر سے دلہن کو وداع بھی کردیا گیا۔ اب فرصت پاکر یہی تو یہ کھجوریں آپ کے لئے لایا ہوں۔ آپ منہ میٹھا کیجئے اور مسجد کو سدھارئے۔!

مگر صاحب یہ مدینے کی بات تھی۔ ہندوستان پیارے میں ایسی شادی کہاں ممکن ہے۔ یہاں تو ہم خود بخود قومی دھارے میں اس طرح بہہ رہے ہیں کہ کوئی بہانے والا بھی کیا بہائے گا۔ شادیاں ایسی دھوم دھڑکے سے کرتے ہیں کہ بننے والی کہاوت صادق آئے کہ لالہ کی کمائی مکان اور بیاہ نے کھائی۔ بلکہ معاملہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہی رہتا ہے کہ بنیا تو صرف اپنی جوڑی جڑائی کمائی شادی میں خرچ کرتا ہے مگر یار لوگ قرض پر گلچھرے اڑاتے ہیں۔ خدا جانے وہ کونسا دن ہوگا کہ عقل ہم کو بھی آئے اور برادران وطن کو بھی اور اپنے ہاں کی شادیوں میں معیار مدینہ کی شادیوں کو بنالیں۔ ۱۹۶۷ء کی شادی چلئے سوکھی ساکھی بے رونق شادی کہہ لیجئے اس کی پیروی نہ کیجئے۔ مگر تیرہ سو برس پہلے علیؓ و زہراؓ کی شادیوں کو تو مسلمان کم از کم نہیں بھلا سکتے۔ وہ تو ان کے لئے قطعی اور سدا سدا کا معیار ہے! اس کو فراموش کیوں کردیا جاتا ہے؟ مگر دوسروں کو کیا کہیں۔ خود ہم نے کون سا تیر مارلیا؟ میاں مہدی کی شادی دہلی سے باہر دعوت نامے بھیجے بغیر بھی، ہوسکتی تھی۔ یہ اسراف کیا ضرور تھا؟ مگر نفس عجیب عجیب بہانے تراشتا ہے۔ دوست احباب پیر بھائیوں کی شکایتوں سے ڈر تو لگنا ہی تھا ایک دلیل یہ بھی سامنے آئی کہ تیرہ سو سال پہلے سفر کی اتنی آسانیاں اور سہولتیں ہرگز نہیں تھیں۔ دعوت نامہ بھی اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں جاسکتا تھا۔ ورنہ

آقائے مولیٰ ﷺ کے ہاں کی اور آقائے مولیٰؓ کی شادی میں کون سر کے بل نہ پہنچتا۔تم خود بھی سب کے ہاں شادیوں میں جاتے ہو۔ پھر اپنے ہاں کیوں نہ بلاؤ۔ چنانچہ بلایا۔ اور کرم فرما آئے بھی۔ اگر یہ جائز تھا تو خیر ورنہ اللہ معاف فرمائے!

ویسے اپنے بس بھر کوشش یہی کی کہ رسموں کو چھوڑا جائے اور فضول خرچی سے بچا جائے۔حضرت خواجہ صاحبؒ کی ساری عمر اسی تلقین میں گزر گئی۔ اور انہوں نے اپنے ہاتھوں اولاد کی جو شادیاں کیں ان میں لاریب کوئی بات غلط نہیں ہونے دی۔حضرت خواجہ بانو صاحبہ نے بھی میاں مہدی کی بات ٹھیراتے وقت دلہن والوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ کوئی رسم اور کوئی تکلف نہیں ہوگا۔ یہاں تک کہ سہرے اور گھوڑے سے بھی بچا جائے گا۔ہم جو کچھ دلہن کے لئے بھیجیں گے اس کی نمائش نہیں کریں گے۔اور آپ بھی جہیز نہ دکھائیں تو بہتر ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ دلہن والوں نے ہماری ہر درخواست منظور کرلی۔ البتہ دو چیزوں پر دلہن کی بہنیں اڑ گئیں کہ ایک تو سہرا ضرور باندھنا پڑے گا۔سہرے کے بغیر دولہا دولہا معلوم ہی نہیں ہوتا۔ دوسرے گھوڑے پر ضرور بیٹھنا ہوگا۔ چار قدم کی بات ہے تو ہونے دو۔آپ اگر دولہا کو پیدل محفل خانے تک لائیں گے تو ہم وہاں سے اپنے گھر تک گھوڑے پر لے جائیں گے۔ یہ دونوں باتیں ہمارے نزدیک پسندیدہ تو نہ تھیں مگر انھیں کم درجے کی برائی سمجھ کر گوارا کرلیا۔

شادی کا حال بیان کرنے سے پہلے تھوڑا سا تعارف دلہن والوں کا بھی کرانا چاہئے۔میاں مہدی کے خسر حضرت مولانا قاضی سید صفدر علی نظامی حضرت قاضی سید محی الدین کاشانی کی یادگار ہیں اور وہ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الہیؒ کے ایسے جلیل القدر مرید وخلیفہ تھے کہ پیر ومرشد کی خدمت میں حاضر ہوتے تو حضرت ان کے علم وفضل کی وجہ سے تعظیم دینے کے لئے کھڑے ہوجاتے۔ حضرت قاضی صاحب اودھ کے قاضی القضاۃ یعنی چیف جسٹس تھے اور بڑا کروفر تھا۔لیکن جب آستانہ محبوبیؒ سے وابستہ ہوئے تو سب کچھ تج دیا۔ان کے بعد ان کی اولاد بھی آستانہ عالیہ ہی پر مقیم رہی اور قاضی زادگان کے نام سے جانی پہچانی جاتی رہی۔میری والدہ حضرت خواجہ بانو صاحبہ مدظلہا کا تعلق بھی اسی برگزیدہ خاندان سے ہے۔

میاں مہدی کے رشتہ کے لئے ڈھونڈ بھال بہت ہوئی۔ اور بہت سے اچھے اچھے رشتے سامنے آئے۔لیکن میرے چھوٹے بہنوئی محمد اعجاز علی صاحب ایڈوکیٹ کی عرصے سے تمنا تھی کہ یہ شادی خاندان ہی میں ہونی چاہئے اور حضرت قاضی صفدر علی صاحب کے ہاں ہونی چاہئے قدرت کو بھی یہی بات منظور تھی۔ چنانچہ بحمداللہ موصوف کی لگائی ہوئی یہ بیل پروان چڑھی۔مگر اس طرح کہ منگنی کی کوئی رسم نہیں کی گئی۔انگھوٹھی اور مٹھائی اور لینا اور دینا کچھ نہیں ہوا۔ سادگی سے پیغام دیا۔ بات پکی کرلی۔اور عید آئی تو اس وقت بھی رواج کے موافق نہ منگیتر کا جوڑا بھیجا گیا۔ نہ سو پچاس آدمی جمع ہوئے۔بس حضرت خواجہ بانو صاحبہ تنہا دلہن والوں کے ہاں جاکر ہونے والی دلہن کے ہاتھ میں عیدی دے آئیں۔گھر میں سب کو عیدی ملی تھی۔نامزد دلہن کو کیوں نہ ملتی؟

یہ ساری تفصیل میں اس وجہ سے لکھ رہا ہوں کہ پیر بھائی ان باتوں کو دھیان میں رکھیں اور ان سے سبق لیں۔ سادگی کا مطلب خشکی اور خشونت ہرگز نہیں ہے۔ شادی ایک خوشی کی چیز ہے۔اعلان کی چیز ہے۔خوب خوشی منائیے۔اعلان کیجئے۔احباب کو بلانا اور جمع کرنا خوشی اور اعلان ہی کے لئے ہوتا ہے۔لیکن اس

کام میں حد سے نہیں بڑھنا چاہئے نکاح سے پہلے جو رسمیں منگنی وغیرہ کی ہوتی ہیں۔ اور خواہ مخواہ دعوتوں اور زیر باریوں کا سلسلہ چلتا ہے۔ وہ قطعاً غیر ضروری ہے۔ ہم آپ چاہے زیر باری محسوس نہ کریں۔ لیکن جس غریب کو کھانے پہننے کے بھی لالے ہوتے ہیں۔ وہ بے چارہ اپنی لاڈلی کے ہاتھ کس طرح پیلے کرے۔ اسکو تو یہ رسمیں جیتے جی مار ڈالتی ہیں۔

حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلی رحمتہ اللہ علیہ اپنے لاڈلے بھائی خواجہ سید مہدی نظامیؒ کی رحلت پر ان الفاظ میں تعزیت کی ہے۔ ''مہدی میاں شمس العلماء حضرت خواجہ حسن نظامیؒ اور حضرت سیدہ محمودہ بانو نظامیؒ کے سب سے چھوٹے اور لاڈلے فرزند تھے۔ مگر انہوں نے باقی ماندہ بڑے بھائی سے پہلے ہی موت کو گلے لگالیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ یکم رجب ۱۴۱۹ھ مطابق ۲۲/اکتوبر ۱۹۹۸ء رات کے تقریباً دو بجے ۲۱/اکتوبر کی تاریخ ختم ہوتے ہی اور ۲۲/اکتوبر شروع ہوتے وقت انہوں نے داعی اجل کو لبیک کہا اور سارے خاندان برادران سلسلہ اور احباب کو روتا بلکتا چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہوئے۔ ذیابیطس اور قلب کا مریض ہونے کے باوجود ان کی عمر اصل عمر سے کہیں کم نظر آتی تھی پیدائش ۱۰/دسمبر ۱۹۳۵ء کی تھی۔ ہنس مکھ، خوش مزاج، نرم خو، خدا ترس، مذہب دوست، سچے کھرے۔ اپنے پرائے سب کے کام آنے والے۔ زندگی کے جلتے جھلستے صحرا میں بالکل نخلستان کی مانند، سخت بات سے ان کی زبان اور تلخ گفتگو سے ان کے ہونٹ زندگی بھر نا آشنا رہے۔ ہر شخص کی بات آسانی سے مان لیتے تھے۔ حد ہے موت تک سے یہ نہ کہا کہ بھلی مانس کچھ تو ٹھہر۔ ذرا تو دم لینے دے۔ جیسے ہی اس نے پکارا فوراً ساتھ ہولئے۔ ہفتہ بھر اسپتال میں ضرور گزارا۔ مگر تکلیف کے باوجود زیادہ وقت ہنستے بولتے رہے۔ بھوک بند ہوگئی تھی۔ ہلکا ہلکا بخار رہتا تھا ڈاکٹر حلیم کوثر صاحب کو یرقان کا شبہ گزرا۔ امتحان پر شبہ یقین سے بدل گیا۔ مجید یہ اسپتال میں داخل کئے گئے۔ عالی جناب حکیم عبدالحمید صاحب چانسلر علی گڑھ مسلم یونیورسٹی اور جامعہ ہمدرد نے خصوصی توجہ فرمائی حکیم شکیل تمنا کے علاج سے افاقہ بھی ہونے لگا تھا۔ ایلوپیتھی والوں نے بھی دیکھا یکا یک شکر کا لیول ڈاؤن ہوا۔ بلڈ پریشر گھٹا۔ نمونیہ کی خبر سنائی گئی۔ اور کسی دوسرے اسپتال میں منتقل کرنے کا مشورہ دیا گیا۔ مشہور ماہر قلب ڈاکٹر خلیل اللہ صاحب کی توجہ سے ملہوترہ اسپتال میں جدید ترین طبی سہولتیں پہنچائی گئیں مگر اندازہ ہوا کہ سمت غیب والی ہوا تو چل چکی ہے اور سرور کا چمن بس جلا ہی چاہتا ہے۔ اور پھر وہی ہوا جو دنیا میں ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے کہ

چلی سمت غیب سے اک ہوا کہ چمن سرور کا جل گیا
مگر ایک شاخِ نہال غم جسے دل کہیں سو ہری رہی

جس جسم کو ہنستا بولتا شفا خانے لے گئے تھے۔ وہ بے منت مسیحا جسدِ مردہ بن کر واپس آیا اپنے باپ اور پیر اور والدہ اور خالہ کی بائیں جانب احاطہ خواجہ ہال میں حق الیقین تک کو حیرت بنائے آرام کی نیند جا سوئے۔ سدا رہے نام اللہ کا۔ دس دن گزر گئے۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ ابھی ان کے قدموں کی مخصوص چاپ سنائی دے گی۔ نادان دل کو موت کا اب تک یقین نہیں۔

حسن ثانی نظامی

(ماخوذ از : حضرت خواجہ حسن نظامیؒ کے خلفاء، ناظم اور خاص مریدین)

☆☆☆☆☆

اہمیت بیعت اور مرتبۂ شیخ

از: جناب مسعود انور علی کاکوروی
ریسرچ اسکالر شعبہ عربی، مسلم یونیورسٹی علی گڑھ

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ اتَّعُوْ اَللّٰہَ وَابْتَغُوْ اِالَہِ الوَسِیْلَۃَ ’’اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔‘‘ بعض اہل اللہ نے وسیلہ سے رہبر مراد لیا ہے اور یہ رہبر وہی پیر طریقت اور مرشد کامل ہے جو تقرب الی اللہ کا وسیلہ ہے۔ یعنی وسیلہ تلاش کرو جو تمھیں مجھ تک پہنچائے۔ اور اس سے استدلال پر یہ معلوم ہوجاتا ہے کہ وسیلہ کے بغیر رسائی نہیں، جیسے کہ بادشاہ کی خدمت حاضر ہونے کے لئے وزیر ودربان کا ذریعہ درکار ہوتا ہے۔

ذرا سوچئے اور غور کیجئے کہ مادّی علوم میں بھی کون سا علم یا پیشہ ایسا ہے جس میں کسی استاد کے ضرورت نہ ہو۔ حضرت مولانائے روم قدّس سرّہٗ فرماتے ہیں۔

ہیچ چیز ے خود بہ چیزے نہ شد
ہیچ آہن خود بہ خود تیغے نہ شد

یعنی کوئی بھی چیز خود بخود اس قابل نہ بن گئی کہ اسے چیز کہا جاسکے یا اس کا کوئی نام رکھا جاسکے اور نہ کوئی معمولی لوہا آپ ہی آپ تلوار بن گیا۔

خود بتائیے کہ جب دنیاوی امور اور دنیاوی علوم کا یہ حال ہے تو پھر روحانیت کا علم جو ان سب سے بالاتر اور دشوار ہے کس طرح ممکن ہے کہ اس میں کسی استاد کی ضرورت نہ پڑے۔ وہ منزل جس میں قدم بہ قدم لحظہ بہ لحظہ رہنمائی ناگزیر ہے اس میں کسی رہبر کی ضرورت نہ پڑے۔ حضرت صوفیا کی اصطلاح اور ہماری زبان میں ایسے رہبر وراہنما کو ’’شیخ‘‘، ’’مرشد‘‘ یا ’’پیر‘‘ کہا جاتا ہے۔

حضرت مولانائے رومؒ شیخ ومرشد کی اہمیت کو یوں بیان فرماتے ہیں۔

مولوی ہر گز نہ شد مولائے روم
تاغلام شمس تبریزی نہ شد

میں اس وقت تک مولائے روم اور مرجع خلائق ومحبوب خاص وعام، ہو ہی نہ سکا جب تک کہ حضرت شمس تبریزؒ کے غلاموں (ارادتمندوں) کے حلقہ میں شامل نہ ہوا۔

ایک اور مقام پر ارشاد ربّانی ہے کہ یَاایُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْ اتَّقُوْ اللّٰہَ وَکُوْنُوْ مَعَ الصَّادِقِیْنَ اس آیاتِ کریمہ میں بھی اس طرف اشارہ ہے کہ اے لوگو! جو ایمان لاچکے ہو اللہ سے ڈرو اور صادقین وصادق القول وصادق (الفعل) کے ساتھ ہو جاؤ۔ یعنی ایمان لانا ہی کافی نہیں ہے۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے کہ قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْ نَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْ نِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ ’’اے رسول صلی اللہ علیہ وسلم آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر اللہ کی محبت چاہتے ہو میری پیروی کرو، اللہ تعالیٰ تم سے محبت کریگا۔‘‘ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ کی محبت بغیر رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے ممکن نہیں تو جب اتباع رسول اللہ ﷺ ناگزیر ٹھری تو اس کے متبع (پیرو) کی اتباع بھی

ضروری ہوگئی۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی ظاہری اتباع شریعت اور باطنی اتباع طریقت ہے۔ اور یہی وہ بیعت ہے جو باطنی الائشوں سے پاک کرنے اور قلوب کو سنوارنے میں معاون ومددگار ہے۔

شریعت ورِ محفل مصطفیٰؐ طریقت عروجِ دلِ مصطفیٰؐ

بیعت عربی لفظ بَاعَ یَبِیْعُ سے مشتق ہے جس کے معنیٰ بیچ دینا ہے۔ اصطلاح میں بیعت سے مراد کسی مرشد کامل، اہل دِل اور صاحب نسبت کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دے کر یہ عہد کرنا کہ اس کی مرضی وخوشی اپنے نفس کی مرضی وخوشی پر مقدم ہوگی۔ اور پھر جب اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر یہ عہد کرلیا تو نفس امارہ کی رضا وخوشی کے مقابلہ میں شیخ ومرشد کی مرضی وخوشی ہر حال میں مقدم وقابلِ قبول وقابلِ صدتر جیح ہوگی۔ گویا بیعت کرنے والے کی حالت بیعت لینے والے کے روبرو اس طرح ہونی چاہئے جیسے مردہ بدست زندہ۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلی ''القوالجمیل'' میں فرماتے ہیں کہ بیعت مسنون ہے۔ احادیث میں منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے لوگ بیعت کرتے تھے۔ کبھی ہجرت پر، کبھی جہاد پر اور کبھی احکام اسلام پر قائم رہنے پر (صوم وصلوٰۃ، حج وزکوٰۃ) کبھی کفار کے مقابلے میں ثابت قدم رہنے پر جیسا کہ قرآن مجید میں وارد ہے۔ لَقَدْرَضِیَ اللّٰہُ مِنِ الْمُؤ مِنِیْنَ اِذْیُبَا یِعُوْنَکَ تَحْتَ الْشَجَرَۃِ الخ اللہ تعالیٰ ان مؤمنین سے راضی وخوش ہوگیا جب وہ آپ ﷺ سے درخت کے نیچے بیعت کررہے تھے الخ ''اس سے مُراد بیعت رضوان ہے'' ایک دوسری جگہ ارشاد ہے اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَا یِعُوْ نَکَ اِنَّمَا یُبَا یِعُوْنَ اللّٰہَ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ فَمَنْ نَکِثَ فَاِلَّہٗ یَنْکُثُ نَفْسُہٗ وَمَنْ اَوْفٰی بِمَا عَا ھَدُ عَلَیْہِ اللّٰہِ فَسَیُوْ تِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ''اے رسول اللہ ﷺ جو لوگ آپ ﷺ سے بیعت کرتے ہیں وہ درحقیقت اللہ سے بیعت کرتے ہیں، اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے پس جو اس عہد کو توڑے وہ اپنا ہی نقصان کرتا ہے اور جس نے اس عہد کو پورا کیا اسے اللہ تعالیٰ اجر عظیم عطا فرمائے گا۔''

حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی فرماتے ہیں۔

پنجۂ پیر نقش اللہ است کے ازیں رمز ہر کسی آگاہ است

ازیدُ اللہ فوقَ اَیدِ یہم شد نصیبم کہ مرشد اللہ است

''پیر کا پنجہ دراصل اللہ کا نقش ہے ہر شخص بھلا کب اس راز سے آگاہ ہے۔'' ''اللہ کا ہاتھ ان کے ہاتھوں کے اوپر ہے'' کی رو سے یہ میرا نصیب ہے کہ میرا مرشد اللہ تعالیٰ ہے۔''

حضرت صوفیہ رحمہم اللہ اجمعین کی مروجہ بیعت، بیعت تقویٰ کی قسم میں داخل ہے یہی حضرات قولاً وفعلاً رسول ﷺ کے صحیح متبع رہے۔ اور ہمارے عرف عام میں ان کا شمار مرشد برحق اور نائب رسول میں ہے۔ اور نائب رسول کی بیعت اور اتباع انھیں سب کا جواب ہے۔

حضرت شیخ اکبر محی الدین ابن عربیؒ فتوحات مکیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ حق کی نیابت میں شیخ پیغمبر کے مثل ہے پس وہ اپنے زمانہ میں حق کے نائب ہیں۔ حدیث شریف ''عُلَمَاء اُمَّتِیْ کَاَ نْبِیَاءِ بَنِیْ اِسْرَائِیْلَ'' میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء جیسے ہیں سے مراد بھی یہی علماء صاف باطن (صوفیا) ہیں، نہ کہ علمائے ظاہر۔

مرصاد العباد میں ہے کہ اَلْشَیْخُ فِیْ قَوْمِہٖ کَا النَّبِیُّ فِیْ اُمَّتِہٖ ''شیخ اپنی قوم میں ایسا ہے جیسا نبی اپنی اُمت میں'' مشائخ

کے اقوال میں سے یہ بھی ہے کہ مَنْ لَیْسَ لَهٗ شَیْخَ فَشَیْخَهٗ اِبْلِیْس ''جس کا کوئی شیخ نہیں اس کا شیخ ابلیس ہے۔ حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی فرماتے ہیں۔

ہرکہ بے پیر پیرش ابلیس است
این سخن معتبر درافواہ ست

''یہ بات بہت معتبر ہے کہ جس کا کوئی پیر نہیں اس کا پیر شیطان ہے۔'' اور اکثر اہل اللہ نے یہ حدیث نقل کی ہے کہ ''مَنْ مات ولَیْسَ فِی منقه بیعه فمات میته جاهلیة جو شخص بغیر بیعت کے مرا وہ جاہلیت کی موت مرا۔

اس مضمون میں میرا مقصد بیعت کے جواز یا عدم جواز پر بحث کرنا نہیں ہے۔ بزرگان دین کی بکثرت تصانیف موجود ہیں جن کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

ڈاکٹر اور حکیم امراض جسمانی ظاہری کے طبیب و معالج ہیں اس طرح پیر مرشد امراض باطنی کے، ان سے جب بھی کسی روحانی مرض کے سلسلہ میں اور اس کے دفعیہ کے لئے رجوع کیا جائے گا۔ تو وہ یقیناً اسی بنوت کے دواخانہ سے مریض کے مزاج کے مطابق مجرب نسخہ تجویز کرے گا۔ اور یہ تجویز اُس کی کوئی خودداری یا اپنی ذاتی تحریک نہ ہوگی بلکہ وہ عین تقلید و پیروی سنتِ رسول ہوگی۔ کلام پاک میں ان صاحبان بصیرت اور اہالیانِ دِل کی طرف رجوع کرنے کا حکم ہے۔ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الْذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ''اگر تم نہیں جانتے تو اس کی بابت اہل ذکر (صاحبانِ دِل وصوفیائے صاف باطن) سے سوال (استفساء) کرو۔

بہر حال بعض مشائخ کے نزدیک بیعت فرض ہے ورنہ واجب و مستحب ہونے میں تو کوئی کلام ہی نہیں۔

حضرت شاہ تراب علی قلندر کاکوروی اپنی مشہور زمانہ کتاب مطالب رشیدی ۱۲۷۵ھ میں تحریر فرماتے ہیں کہ پیر کا مرتبہ باپ سے بڑھ کر ہے کیونکہ باپ بدن کی پرورش کرتا ہے اور پیر روح کی۔ وہ مرید کی باطنی حالت کا جوہر شناس ہوتا ہے اور اس کے آئینہ باطن کا زنگ صاف کر کے اس کا گنجینۂ اسرار کھول دیتا ہے اس کا کام یہی ہے کہ وہ مرید کو راہ دکھائے، آئینہ قلب پر صیقل کرے اور اس پر خطر راہ کی آفتوں سے انھیں خبردار اور ہوشیار رکھ کر اپنی رہبری میں منزلِ مقصود تک پہنچائے۔ چنانچہ مولانائے روم فرماتے ہیں۔

پیررا بگزین کہ بے پیرایں سفر
ہست بس پُر آفت وخوف وخطر

''پیر کو اختیار کرو اس لیے کہ بغیر پیر کے یہ دنیاوی و دینی سفر آفات وخطرات سے پُر ہے۔''

شاہ تراب علی قلندرؒ فرماتے ہیں۔

ہرکہ نہ گرفت دامن پیر
طفل ناداں ومرد گمراہ است

''جس نے کسی پیر کا دامن نہ پکڑا وہ نادان بچہ اور گمراہ مرد کی طرح ہے۔''

حضرت شبلیؒ کا واقعہ بے محل نہ ہوگا کہ آپ وزیرزادہ تھے۔ عنایت وتوفیق الٰہی نے اپنا کام کیا جذب حق کشاں کشاں حضرت جنید بغدادیؒ کی خدمت میں لے گیا۔ بیعت کی خواہش ظاہر کی۔ حضرتؒ نے اصطلاح نفس اور حجابات خودی دور کرنے کے واسطے یہ حکم دیا کہ جس شہر میں حکومت کر چکے ہو اسی میں زنبیل لے کر گداگری کرو۔ بہ ظاہر بہت مشکل کام تھا۔ مگر طلب صادق نے یہ بھی کرنے پر مجبور کیا۔ جاہ وحشم پر لات ماری۔ ایوان سلطنت سے

© https://www.khwajahasanmizami.life

منہ موڑا۔ گدڑی پہن اور زنبیل ہاتھ میں لے نکل کھڑے ہوئے۔ شروع میں جس دروزے پر صدادی زنبیل سونے چاندی سے بھر گئی۔ چند مرتبہ لوگ اسی طرح دیتے گئے اور وہ اسی طرح حضرت جنیدؒ کی خدمت میں لاتے رہے، رفتہ رفتہ یہ عالم ہوگیا کہ کوئی پیسہ دیتا اور کوئی کچھ بھی نہیں باالآخر عوام میں پاگل دیوانہ مشہور ہوگئے۔ ایک شام اس حال میں لوٹے کی زنبیل میں ایک کوڑی نہ تھی۔ آپؒ نے فرمایا خالی کیوں ہے؟ عرض کیا کہ آج کسی نے کچھ نہیں دیا۔

حضرت غوث پاکؒ فتوح الغیب میں فرماتے میں مرید خود کو پیر کے سپرد ایسا کردے کہ جیسے مردہ غسل دینے والے کے ہاتھ میں۔

''حضرت سلطان المشائخ اپنے پیر سے نقل فرماتے ہیں کہ وہ مرید نہایت سعادت مند ہے کہ جو کچھ اپنے پیر سے سُنے تو اس کے ہوش وحواس اسی سے متعلق ہوجائیں۔ مرید کو چاہئے کہ جو کچھ اپنے پیر سے سُنے، اُسے یادرکھے تو اتنا ثواب پائے گا کہ حساب میں نہیں آسکتا۔

آثار اولیاء میں ہے کہ مرید صادق جو کچھ پیر سے گوش ہوش سے سُنے اور اس کو لکھ لے تو جو حرف اس کے قلم سے نکلے گا اسکے بدلے ہزار سال کی عبادت اس کے نامہ اعمال میں درج ہوگی۔ اور مرنے کے بعد وہ علیئین میں جگہ پائے گا۔

پیر سے محبت رکھنے والے کا درجہ اگرچہ عبادت میں کم ہو، ایسے مرید سے بڑا ہے جو بہت زائد عبادت گذار ہو لیکن پیر کی محبت اس کے دل میں کم ہو۔''

مطلب رشیدی صفہ ۱۳۵ پر ہے کہ مرید اگر پیر کی کوئی بات خلاف شریعت وطریقت دیکھے تو اسے اپنی کم علمی اور بے بضاعتی سمجھے اور ہرگز یہ بات دل میں نہ لائے کہ ان کے سوا کوئی دوسرا بھی خدا تک پہنچا سکتا ہے۔ کیونکہ اس خطرہ سے یقیناً شیطان نے اس کے اعتقاد میں تصرف کردیا ہے اور پیر کی محبت سے اُسے باز رکھ کر برباد کرنا چاہتا ہے۔ مرید کے لئے جس طرح خدا کی نیت اور آنحضرت کی رسالت پر یقین رکھنا فرض ہے اسی طرح مرشد کے بارے میں بھی پکا اعتقاد رکھنا لازم ہے۔ اور یہ سمجھے کہ وہ مجھ سے زائد جاننے والے ہیں اور میرا علم ان تک نہیں پہنچ سکتا اور ایسے میں حضرت خضرؑ اور حضرت موسیٰؑ کے قصہ کو یاد کرے۔

یہی نہیں بلکہ پیر کے سامنے نوافل وتسبیحات اوراوراد و ظائف میں بھی مشغول نہ ہو کیونکہ کوئی شغل پیر کے مشاہدے سے بڑھ کر نہیں ہے۔ کسی وقت بھی اپنی پیٹھ پیر کے طرف نہ کرے اگر کوئی کام پڑے تو پچھلے پاؤں چلے یہاں تک کہ پیر کی نظروں سے اوجھل ہوجائے۔ اگر پیر کا جھوٹا پانی ملے تو اسے کھڑے ہوکر پیئے۔ اگر پیر سے خرفہ پائے تو اس کو پہن کر دوگانہ شکرانہ ادا کرے اور کوئی چیز از قسم نقد وجنس وغیرہ بطور نذر پیش کرے۔ اگر پیر کی قبر کی زیارت کو جائے تو بھی کچھ پھول اور شرینی و نقد ساتھ لے جائے۔ اور اگر کچھ میسر نہ ہو تو سبزہ ہی لے جائے۔ مگر خالی ہاتھ نہ جائے۔

اپنے پیر کو تمام لوگوں سے افضل و برتر سمجھنا چاہئے کیونکہ بغیر اس اعتقاد کے فیض یاب نہیں ہوسکتا ہے۔ حضرت خواجہ عبداللہ انصاریؒ فرماتے ہیں ''ہر کہ با پیر تو بد باشد وتو نیک سگ از تو بہتر ست۔'' جو تمہارے پیر کا بدخواہ ہو اور تم اس کے خیرخواہ تو کتّا تک تم سے بہتر ہے۔

آخیر میں حضرت شاہ تراب قلندر کاکوروئیؒ کے چند اشعار فارسی واُردو قلمبند کررہا ہوں جو مرتبہ واہمیت شیخ پر مزید روشنی ڈالتے

© https://www.khwajahasannizamilife

ہیں۔

پیر آمد وسیلہ بہر نجات
پیر بگزیں کہ خواہ و ناخواہ است

(پیر نجات کے واسطے وسیلہ بن کر آیا ہے
۔خواہ وناخواہ پیر کو اختیار کرو۔)

پیر را صورت پیغمبرداں
زانکہ اورہنمائے درگاہ است

(پیر پر پیغمبر کی صورت کو قیاس کرو
اس لیے کہ وہی اس کی ﷺ بارگاہ کا راہ نما ہے۔)

باادب پیش پیر باید بود
کوزسر تاقدم ادب گاہ است

(پیر کے روبرو مودب رہنا چاہیے۔
اس لئے کہ وہ سر سے پیر تک ادب گاہ ہے)

خوش آں دلے کہ دراں نیست غیر برزخ پیر
خوش آں زباں کہ پُر ازداستان پیر بود

(وہی دل اچھا ہے جس میں بجز پیر کی تصویر کے کوئی تصویر نہیں ہو،
اور وہی زبان اچھی ہے جو ہمہ وقت پیر کے تذکروں سے بھری ہو۔)

جوگدائی دربہ مرشد کی کرے وہ شاہ ہوئے
لہٰذہ درگاہ ہو تب صاحب درگاہ ہوئے
حاضر و ناظر مرید اس طرح جانے پیر کو
جس طرح احوال بندہ سے خدا آگاہ ہو
جس شخص کا دِل مرشد رہبر سے پھرا ہے
وہ حق سے پھرا اور پیمبر سے پھرا ہے

بلکہ عارف کامل مولانا جلال الدین رومیؒ تو یہ بھی فرما گئے ہیں۔

چوں کہ کردی ذاتِ مُرشد را قبول
ہم خدا درذاتش آمد ہم رسولؐ

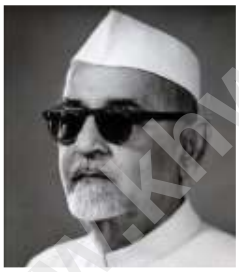
(جب تم مرشد کی ذات کو قبول کر چکے تو اب یہ سمجھ لو کہ خدا بھی اسی ذات میں اور رسول ﷺ بھی اسی ذات میں جلوہ گر ہے)

(ماخوذ از : ماہنامہ منادی، نئی دہلی، جلد 58، شمارہ 6-5)

☆☆☆☆☆

قلمی چہرہ: ڈاکٹر ذاکر حسین

از: مصور فطرت حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ



ڈاکٹر ذاکر حسین فرخ آباد کے پٹھان ہیں۔ فدا حسین خاں صاحب کے بیٹے غلام حسین خان صاحب کے پوتے۔ گورا رنگ۔ دوہرا جسم۔ بڑی بڑی آنکھیں جن میں سرخی کے ڈورے ہیں۔ اور ذہانت کی چمک ہے پیشانی چوڑی۔ قدمیانہ- آواز گرجدار سریلی عمر پچاس کے قریب۔

یورپ کے تعلیم یافتہ جرمنی کے علوم وفنون کی سند رکھنے والے دین دار۔ بے غرض، بے طمع، عیب بینی اور غیبت سے پاک۔ دنیا کی ہر قوم کے عارف- ہندوستان کے سچے ہمدرد مسلمانوں کے اصلی خیر خواہ مسلمانوں کی خوش نصیبی کے ستارے جن کی روشنی مستقبل کے اندھیرے کو دور کرنے والی معلوم ہوتی ہے۔

(ماخوذ از: ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد 44، شمارہ 5)

© https://www.khwajahasannizami.life

وسیلہ کی اہمیت وافادیت

از: جناب مولانا شبنم کمال مظفر پوری

دنیا کی تمام مخلوق اور عالم کی تمام چیزیں اپنے وجود اور بقا میں وسائل وذرائع کی طرف محتاج ہیں وسائل اور وسایط کا خالق اللہ وجل ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے وسیلوں اور اسباب کو پیدا کیا۔ پھر سب کی ترتیب اس طرح کی کہ ایک کو دوسرے کے وجود و بقا کا سبب وذریعہ بنایا بلکہ ایک انسان کو دوسرے کے حصول معاش، بقائے حیات ودفع ضرر کا وسیلہ بنایا۔

نظام عالم پر غور کیجئے، تو یہ بات آپ پر خود بخود واضح ہوجائے گی کہ ایک انسان کسی دنیاوی حاکم یا بادشاہ کے دربار میں اپنی حاجت براری اور تکمیل مقاصد کے لئے ایسے انسان کو ذریعہ اور وسیلہ بناتا ہے جو اس کے دربار میں مقرب ہو، جو محبوب ہو جس کی بات سنی اور مانی جاتی ہو۔

ایک نابینا آدمی اپنی منزل تک صحیح سلامت پہنچنے کے لئے راہ میں ایسے شخص کو وسیلہ بناتا ہے جو اہل نظر اور صاحب بصیرت ہو۔

ایک مریض انسان اپنے مرض کے علاج کے لئے ایسے شخص کو وسیلہ بناتا ہے، جو طبیب حاذق اور فن حکمت میں ماہر ہو۔

ایک کمزور ونحیف انسان اپنے دوش ناتواں کو بار گراں سے ہلکا کرنے کے لئے ایسے شخص کو طلب کرتا اور ذریعہ بناتا ہے، جو قوی اور توانا ہو۔

ایک جاہل آدمی راہ شریعت میں کسی مسئلہ کو دریافت کرنے اور حصول علم کے لئے ایسے مخص کو ذریعہ بناتا ہے جو مسائل شرعیہ کا عالم اور واقف ہو۔

ایک نادار مرد اپنی ضرورتوں کی تکمیل کے لئے ایسے شخص کے دروازہ پر دستک دیتا اور صدا بلند کرتا ہے جو غنی اور سخی ہو۔

ایک مسافر منزل پر پہنچنے کے لئے راہ سلوک میں ایسے شخص کو راہ بر بناتا ہے جو منزل شناس ہو۔

انبیاء کرام اولیائے عظام اور بزرگان دین خداوند تعالیٰ کے محبوب بندے ہیں۔ یہی حضرات مقربین بارگاہ خداوندی صاحب نظر، طبیب جسمانی وروحانی، عالم علوم اور واقفِ منزل ہیں۔ انھیں اپنا وسیلہ اور ذریعہ بنانا حصول مقصد اور مطلب براری کا سبب ہے۔ اس لئے کہ وہ امور جو عام انسانوں سے انجام نہیں پاسکتے۔ انھیں مقدس حضرات سے انجام پاتے ہیں جہاں عام انسان مجبور محض اور انتہائی بے بس و بے کس نظر آتا ہے۔ جہاں انسان بحر آلام ومصائب میں ہر طرف سے گھرا ہوا نظر آتا ہے۔ جہاں دنیا ہر طرف تاریک اور خوفناک معلوم ہوتی ہے۔ جہاں امیدوں اور تمناؤں کی شمع آخری ہچکیاں لیتی نظر آتی ہے۔ وہاں اللہ کے نیک بندے ہی کام آتے ہیں اس لیے محبوبان خدا کی طرف توجہ کرنا، ان کو وسیلہ بنانا ان سے مدد طلب کرنا امر پسندیدہ ہے۔ مشکلوں کے حل ہونے بلاؤں کے دور ہونے اور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔

طالب وسیلہ کے متعلق خود خالق کائنات کا ارشاد ہے :وابتغو الیه الوسیلة وجاهدوا فی سبیله لعلکم تفلحون :''اور اللہ کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں کوشش کرو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔''

دوسری جگہ انبیاء کرام اور ملائکہ کے متعلق اللہ عزوجل کا

© https://www.khwajahasanmi.life

ارشاد ہے:

اولئک الذین یدعون الی ربھم الوسیلۃ: ''وہ حضرات اپنے رب کی طرف وسیلہ طلب کرتے ہیں۔''

مذکورہ بالا آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو وسیلہ پسند ہے اور وہ اپنی طرف وسیلہ ڈھونڈھنے کا حکم دیتا ہے۔ اور جو لوگ اس کی طرف وسیلہ طلب کرتے ہیں وہ لائق انعام واکرام پانے والے بندے ہیں۔

اس علم کے بعد یہ جاننا بھی لازم ہے کہ اذان کے بعد والی دعا میں جو وسیلہ کا لفظ آیا ہے وہاں وسیلہ سے مراد جنت میں ایک مقام ہے جس کے بارے میں ہمیں امید ہی نہیں بلکہ یقین کامل ہے کہ اللہ کے فضل سے وہ مقام سرور کائنات ﷺ کو ملے گا۔ لیکن ان مذکورہ بالا آیتوں میں وسیلہ سے مراد اعمال صالحہ، افعال نافعہ اور بالخصوص وہ حضرات ہیں جو محبوبین بارگاہ خداوندی اور مقربین دربار الٰہی ہیں۔ یعنی خدا کے نیک بندے، اس لیے کہ اعمال صالحہ کی قبولیت، خطاؤں کی معافی اور تکمیل حاجت کے لئے ان کا وسیلہ ڈھونڈھنا انبیاء کرام، صلحائے عظام، علمائے دین اور عرفائے شریعت سے ثابت ہے۔ انبیاء کرام نے حضور اکرم ﷺ کے ظہور پُرنور سے پہلے حضور کے نام کو وسیلہ اور شفیع بنایا۔

بخاری شریف کی ایک مشہور حدیث سے یہ بات بہ خوبی واضح ہے کہ حضرت امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ نے بارش کے طلب کرنے کے لئے سیدنا عباسؓ کو جو سرور کائنات ﷺ کے چچا تھے وسیلہ بنایا۔ حصن حصین میں بخاری شریف کے حوالہ سے یہ دو روایتیں آداب دعا کے سلسلہ میں بیان کی گئی ہیں۔ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا:

وان یتوسل الی اللہ تعالیٰ بانبیائہ (دعا کے آداب سے) کہ اللہ تعالیٰ کی طرف اس کے انبیاء سے توصل کرے اور حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اضافہ کے ساتھ فرمایا:

والصٰلحین من عبادہ :اور اللہ کے نیک بندوں کا وسیلہ پکڑے۔

ظاہر ہے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا فعل پھر حضرت عمرؓ اور حضرت انسؓ کے ارشادات انبیاء اور اولیاء کے ساتھ وسیلہ کی اہمیت وافادیت پر دلیل محکم ہیں۔ اگر توسل کی حاجت نہ ہوتی تو اس کا ذکر ہی کیوں ہوتا۔

اس ضمن میں ایک مشہور ومعروف حدیث کا مطالعہ کیجئے۔ جسے حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ نے روایت کیا اور حضرت نسائی، ترمذی، ابن ماجہ، حاکم، بیہقی، طبرانی اور ابن خزیمہ نے اپنی کتابوں میں نقل فرمایا ہے۔

ایک ضرورت مند آدمی حاجت کے لئے حضرت عثمان بن عفان کی خدمت میں آیا جایا کرتا تھا لیکن نہ آپ اس کی طرف توجہ کرتے تھے اور نہ اس کی ضرورت پر نظر فرماتے تھے۔ اس شخص نے حضرت عثمان بن حنیفؓ سے اس بات کی شکایت کی۔ عثمان بن حنیفؓ نے اس شخص سے کہا کہ وضو کرکے مسجد میں دو رکعت نماز پڑھو، پھر اس طرح دعا مانگو:

''الٰہی میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیری جانب اپنے نبی محمد ﷺ رحمت کے نبی کے وسیلہ سے متوجہ ہوتا ہوں کہ میری ضرورت پوری فرما'' اور اپنی حاجت کا ذکر کر۔ شام کو پھر میرے پاس آتا کہ میں بھی تیرے ساتھ چلوں۔ وہ مرد چلا گیا۔ پھر اس نے وہی کیا جو اس سے کہا گیا تھا۔ پھر وہ حضرت عثمان بن عفانؓ کے

دروازہ پر حاضر ہوا۔ دربان آیا اور ہاتھ پکڑ کر امیر المؤمنین کی خدمت میں لے گیا۔ حضرت عثمان غنیؓ نے اپنے ساتھ مسند پر بٹھایا۔ مطلب پوچھا۔ اس نے اپنی حاجت بیان کی، تو امیر المؤمنین نے فوراً پورا کر دیا اور ارشاد فرمایا: ''اتنے دنوں میں آج تم نے اپنا مقصد بیان کیا۔ اب جب کبھی تجھ کو کوئی ضرورت ہو تو ہمارے پاس آجاؤ۔'' پھر وہ مردان کے پاس سے چلا گیا اور عثمان بن حنیفؓ سے ملاقات ہوئی۔ پھر اس نے ان سے کہا، اللہ آپ کو بہترین بدلہ دے۔ امیر المؤمنین میری ضروت پر نظر اور میری طرف توجہ نہ فرماتے تھے۔ آپ نے ان سے میرے بارے میں عرض کیا تو مقصد پورا ہو گیا۔ عثمان بن حنیفؓ نے کہا: ''خدا کی قسم میں نے آج تک تیرے معاملہ میں امیر المؤمنین سے کچھ نہیں کہا۔ لیکن میں نے سید عالم ﷺ کو دیکھا کہ حضور کی خدمت اقدس میں ایک نابینا حاضر ہوا۔ اور نابینائی کی شکایت کی۔ حضور نے اس طرح اسے ارشاد فرمایا کہ وضو کر کے دو رکعت نماز پڑھے۔ پھر یہ دعا کرے۔ خدا کی قسم ہم اٹھنے بھی نہ پائے تھے۔ باتیں کر رہے تھے کہ وہ شخص ہمارے پاس آیا۔ گویا کبھی وہ اندھا ہی نہیں تھا۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ کی روایت کے مطابق سرکار دوعالم ﷺ کی بتائی ہوئی دعا کے الفاظ یہ ہیں:

اللھم انی اسئلک نبی الرحمۃ یا محمد اتوجہ بک الی رب فی حاجتی ھذا لتقضی لی اللھم فشفعہ لی ''الٰہی میں تجھ سے مانگتا ہوں اور تیری طرف توجہ کرتا ہوں تیرے نبی محمد ﷺ کے وسیلہ سے جو رحمت کے نبی ہیں اے محمد ﷺ میں حضور کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف اپنی اس حاجت میں توجہ کرتا ہوں تا کہ میری حاجت پوری ہو جائے۔ اے اللہ ان کی شفاعت میرے حق میں قبول فرما۔

حضرت مولانا محمد علی قاری رحمتہ اللہ علیہ حرز ثمین شرح حصن حصین میں اس حدیث کی تشریح میں فرماتے ہیں کہ:

وفی نسبخۃ بصیغۃ الفاعل ای التقضی الحاجۃ لی والمعنی ان تکون سببا لحصول حاجتی ووصول مرادی فالا سناد مجازی ''اور ایک نسخہ میں فاعل کے صیغہ کے ساتھ ہے یعنی آپ میری حاجت کو پوری فرما دیں، معنی یہ ہوگا کہ آپ میری حاجت کے حاصل ہونے اور میری مراد کے پواسرا ہونے میں وسیلہ نبیں۔ اس لیے اسناد مجازی ہے۔'

اور اس میں کوئی شک بھی نہیں کہ بندۂ مومن انبیائے کرام اولیائے کرام سے اگر اپنی مقصد براری کے لئے درخواست کرتا ہے تو حقیقی حاجت روا خالق کائنات ہی کو سمجھتا ہے، انھیں تو وسیلہ سمجھتا ہے اور ان کی طرف تکمیل حاجت کی درخواست اسناد مجازی ہی کے طور پر ہوتی ہے۔

حضرت عثمان بن حنیفؓ کی روایت کردہ حدیث سے چند باتیں بخوبی واضح ہوئیں۔

۱۔ سرور کائنات ﷺ نے اپنے نابینا صحابی کو دعا کی تعلیم دی، جس میں حضور کی ذات اور نام کو وسیلہ بنانا سکھایا۔ کیونکہ توسل امور مقاصد میں کامیابی کا ذریعہ ہے۔

۲۔ حضور نے اپنا نام لے کر پکارنے کی یعنی ندا کرنے کی تعلیم دی وہ بھی غائبانہ کیونکہ یہ جائز اور ہر طرح احسن ہے۔

۳۔ نماز اور اس دعاء توسل کی برکت سے مقصد میں کامیابی ہوئی اور آنکھوں میں روشنی اس طرح ہوگئی گویا وہ شخص کبھی اندھا تھا ہی نہیں۔

© https://www.khwajahasanizahi.life

۴۔صحابہ کرام نے اس دعا کو صرف اسی نابینا صحابی کے لئے مخصوص نہیں سمجھا، بلکہ سب کے لئے ایک مفید اور قابل قدر نسخہ سمجھا پھر دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تعلیم دی۔

۵۔ دوسرے نے بھی عمل کیا اور اسے بھی مقصد میں کامیابی ہوئی اس طرح یہ نسخہ مفیدہ سب کے لیے نعمت عظیمہ ثابت ہوا۔

اولیائے کرام سے توسل :اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں سے توسل اور استعانت کے متعلق دو حدیثوں کو بہ نظر غائر معائنہ کیجئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود اور عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما راوی ہیں۔حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اذاانفتت دابة احد کم بارض فلاة فلیناد یا عباداللہ اجسو افان اللہ تعالیٰ عبادالی الارض یجرہ

''جب تم میں سے کسی شخص کا جانور جنگل میں چھوٹ جائے تو چاہئے کہ اس طرح ندا کرے''،''اے اللہ کے بندو روک لو''اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے زمین میں ہیں جو اس کو روک لیں گے۔ (ابن انس)

اور بزاز کی روایت میں **اعینو ایاعباداللہ** ہے(اے خدا کے بندو! مدد کرو)

حضرت ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ ''حرز ثمین'' میں ذکر کی ہوئی حدیث پاک کے ضمن میں توضیح فرماتے ہیں اور امام نودی رحمتہ اللہ علیہ کا ارشاد ذکر کرتے ہیں۔ امام نودی نے اذکار میں فرمایا۔

ہمارے استادوں میں سے بعض نے جو عالم جلیل تھے اس حدیث پر عمل کیا تو چھوٹا ہوا جانور فوراً رک گیا۔ایک مرتبہ میرا بھی ایک جانور چھوٹ گیا، لوگ اس کو پکڑنے سے عاجز آ گئے کسی کے ہاتھ نہ لگا تو میں نے یہی کلمہ کہا، وہ فوراً رک گیا۔ یہ محض اس سبب سے ہوا کہ میں نے وہ کہا تھا۔

طبرانی نے حضرت عتبہ بن عزوان رضی اللہ عنہ کی ایک روایت نقل کی ہے۔سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ترجمہ پر اکتفا کرتا ہوں: ''جب تم سے کوئی شخص راستہ بھولا دے یا کوئی چیز گم کردے اور مدد کرنے والے کو چاہئے جبکہ وہ ایسی جگہ ہو جہاں اس کا کوئی غمخوار نہ ہو تو کہے، اے اللہ کے بندو میری مدد کرو، اے اللہ کے بندے میری مدد کرو، اے اللہ کے بندے میری مدد کرو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ہیں جو وہ نہیں دیکھتا۔''

مشائخ کرام نے اس حدیث پر تجربہ کیا اور اس کو درست اور موافق حدیث پایا۔ پھر اس کے بعد انہوں نے ارشاد فرمایا: **انہ مجرب قرن بہ النجیح** ''یہ مجرب ہے اور مقصد میں کامیابی اس کے ساتھ شامل ہے۔

ذِکر کی ہوئی حدیثوں میں وہ بندگان خدا جن سے مدد مانگنے اور ضروت کے وقت پکارنے کا صاف حکم ہے وہ ابدال ہیں، جو اولیائے کرام کی قسم ہے یہی قول زیادہ ظاہر اور زیادہ مشہور ہے۔

ممکن ہے کہ اس سے مراد ملائکہ یا مسلمان یا مؤمنین جن ہوں۔ بہر کیف و بہر نوع جو بھی ہوں توسل و ندا ثابت ہے اور اس کا انکار صریح نادانی یا حقائق سے چشم پوشی ہے۔

بزرگان دین اولیائے کرام جو عالم ظاہر سے پردہ فرما چکے ہوں، چشم ظاہر میں انھیں مردہ سمجھے تو سمجھے لیکن وہ حقیقت میں زندہ

© https://www.khwajahasanizami.life

ہیں۔ان سے مصیبتوں میں مدد مانگنا اور حصول مقصد میں وسیلہ بنانا اسی طرح مفید ہے جس طرح ان کی حیات ظاہری میں مفید ہے۔ علمائے متقدمین واولیائے کاملین نے انہیں وسیلہ بنا کر مقاصد میں کامیابی حاصل کی ہے۔چند مثالیں ملاحظہ فرمائیے۔

مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ کے ملفوظات میں ہے:

نسبت ما بہ جناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ می رسد، وفقیر را نیازے خاص بہ آنجناب ثابت است، دروقت عروض عارضہ جسمانی توجہ بہ آں حضرت است ، دروقت عروض عارضہ جسمانی توجہ بہ آں حضرت واقع میشود وسبب حصول شفامی گرود۔

''ہماری نسبت جناب امیر المؤمنین حضرت علی کرم اللہ وجہ کی طرف پہنچتی ہے اور فقیر کو آں جناب کے ساتھ ایک خاص تعلق ثابت ہے۔جسمانی عارضہ میں سے کسی میں مبتلا ہونے کے وقت آں حضرت کے ساتھ توجہ واقع ہوتی ہے اور شفا کے حاصل ہونے کا سبب ہوتی ہے۔''

علامہ ابن حجر مکی شافعی رحمتہ اللہ علیہ الخیرات الحسان فی مناقب الامام اعظم ابی حنیفہ النعمان، میں فرماتے ہیں (میں صرف ترجمہ ہی پر اکتفا کرتا ہوں)

''ہمیشہ سے علمائے کرام اور ضرورت مند حضرات امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کرتے ہیں اور اپنی حاجت کے پوار ہونے میں ان کے نزدیک وسیلہ طلب کرتے ہیں اور اپنی مرادیں پاتے ہیں۔انہیں علماء میں سے امام شافعہ رضی اللہ عنہ ہیں جو فرماتے ہیں کہ میں ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تبرک کرتا ہوں۔ ان کی قبر پر جاتا ہوں اور جب مجھے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو دورکعت نماز پڑھ کر ان کی قبر کے پاس آکر اللہ تعالیٰ سے سوال کرتا ہوں تو جلدہ مقصد پورا ہوجاتا ہے۔''

سوال حاجت سے پہلے دورکعت نماز پڑھنا نہایت مناسب اور بہتر ہے۔اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **استعینو ابالصبر و الصلوٰۃ** (صبر ونماز کے ساتھ مدد مانگو) اسی لیے بزرگان دین کا اس پر عمل اور ان کا یہی دستور رہا۔

''کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ'' میں حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ قضائے حاجات کے لئے ختم خواجگان چشت قدست اسرارہم کی ترکیب بتانے کے بعد اس کے آخر میں فرماتے ہیں:

''دس مرتبہ درود پڑھ کر ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر عموماً خواجگان چشت کے نام سے فاتحہ پڑھیں اور اپنی حاجت کے لئے خدا تعالیٰ سے سوال کریں اسی طرح ہر روز پڑھتے رہیں۔انشاء اللہ چند ہی دنوں میں مقصود حاصل ہوجائے گا۔'' (ترجمہ)

مرزا مظہر جان جاناں رحمتہ اللہ علیہ اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں۔

''دعائے حزب البحر کو صبح وشام کا وظیفہ بنانا چاہئے اور حضرات خواجگان قدس اللہ اسرارہم کے ختم کو ہر دن مشکلوں کے حل کرنے کے لئے پڑھنا چاہئے۔'' (ترجمہ)

ان دونوں بزرگوں کے ارشادات پر غور کیا جائے ظاہر ہے یہ ارشادات واحکامات تفریح طبع کے لیے ہرگز نہیں۔بلکہ حصول مقاصد اور دفع مصائب کے لئے ہیں کوئی بھی ذی عقل انسان وسیلوں کی اہمیت سے کبھی انکار نہیں کرسکتا۔

☆☆☆☆☆

© https://www.khwajagansamnzami.life

ملفوظات حضرت خواجہ حسن نظامیؒ

مرتبہ: مولانا حق دار شاہ عبدالقادر نیلم نظامی رحمتہ اللہ علیہ

سوال:۔شوخی اور گستاخی میں کیا فرق ہے؟

جواب: نیت کا فرق ہے۔

سوال: کیا منت غیر خدا کی بھی مانی جاسکتی ہے؟

جواب: مانی جاسکتی ہے اگر کارسازی خدا ہی کی مانی جائے۔

سوال: حقیقی اور مجازی محبت میں کیا فرق ہے؟

جواب:-صدیوں سے مشہور ہے کہ خدا کی محبت حقیقی اور غیر خدا کی محبت مجازی ہے۔مگر میری تحقیق یہ ہے کہ غیر خدا کی محبت نفسانی جذبات ہیں۔عشق ومحبت صرف خدا رسول ہی کی ہوسکتی ہے۔

سوال:۔مرید اور پیر الفاظ کی وجہ تسمیہ کیا ہے۔

جواب: مرید عربی لفظ ہے یعنی ارادہ کرنے والا اور پیر فارسی لفظ ہے یعنی عمر رسیدہ بوڑھا۔حاصل مطلوب مرید کا یہ ہے کہ اپنے ارادے سے کسی کا بن جائے،اور پیر وہ ہے کہ جو کسی کو اپنا بنائے اور ظاہری اور باطنی تجربہ کاری سے مرید کو دنیا اور دین کی زندگی میں غلطیوں سے بچائے اور سیدھا راستہ بتاتا رہے۔

سوال: انسانی زندگی کو کامل مکمل بنانے والی کیا چیز ہے۔؟

جواب: وہ نیت ہے۔اسی لئے اسلام نے نماز روزہ حج زکات میں نیت کو شرط قرار دیا ہے۔

سوال:۔دنیا میں زیادہ دیر تک زندہ رہنا اچھا ہے یا برا؟

جواب:- درازی عمر کی خواہش انسانی فطرت میں ہے بلکہ ہر جاندار اپنی زندگی قائم رکھنے کی کوشش کرتا ہے۔اور چونکہ خدا خود ہمیشہ سے زندہ ہے اس لئے اپنی مخلوق کو بھی زندہ رہنے کی خواہش دی ہے۔

سوال:-زیادہ دن زندہ رہنے کا عقلی طریقہ کیا ہے؟

جواب: اپنے نسلی جوہر کو کم خرچ کرنا خوش رہنا،حسد سے بچنا،جسم کو حرکت میں رکھنا،جسم کے مسامات کے سوراخ صاف رکھنا۔

سوال:-قوالی اور سماع میں کیا فرق ہے؟

جواب: دونوں عربی لفظ ہیں قوالی کے لفظی معنی کہنے کے ہیں اور سماع کے لفظی معنی سننے کے ہیں۔اصطلاح میں قوالی اور سماع دونوں ہم معنی ہیں۔حمد ونعت وفلسفہ تصوف کے مضامین منظوم کلام کے ساتھ اور باجوں کے ساتھ سننا اور سنانا۔

سوال: وجد وحال کیا نیز ہے؟

جواب:۔جب کسی نظم ونثر کلام کے سنے سے دل اور دماغ اور جو اس پر بے خودی کا اثر پیدا ہوتا ہے تو اس وقت کی کیفیت کو وجد و حال کہتے ہیں۔سوال:۔خدا نظر کیوں نہیں آتا؟

جواب: جس طرح کھٹاس،مٹھاس،ذائقہ اور بھوک پیاس وغیرہ خواہشوں کو ظاہر کرنے کے لئے کسی زبان میں کوئی لفظ نہیں ہے اسی طرح خالق کو دیکھ سکنے کے قابل کوئی آنکھ نہیں ہے جو آنکھ ساری دنیا کو دیکھ سکتی ہے وہ خود اپنے آپ کو نہیں دیکھ سکتی۔اور اس چہرے کو نہیں دیکھ سکتی جس میں اس کو چسپاں کردیا گیا ہے۔

سوال: کیا رسول خدا ﷺ ہر مسلمان کے پاس رہتے ہیں؟

جواب: یقیناً ہر مسلمان عورت مرد جب نماز پڑھتا ہے تو التحیات پڑھنے کے وقت رسول خدا اس کے قریب ہوتے ہیں اسی واسطے

التحیات میں یہ لفظ پڑھا جاتا ہے۔ "السلام علیک ایا النبی" سلام آپ پر اے نبی اللہ بس اگر آنحضرت تمام زمانے سے قریب نہ ہوا کرتے تو "التحیات" میں "السلام علیک" نہ پڑھا جاتا۔

سوال: عورتوں کو پیغمبری کیوں نہیں ملی؟

جواب:۔ پیغمبروں کے لیے رزم اور بزم دونوں ضروری ہیں اور عورت رزم کی طاقت اتنی رکھتی جتنی مرد رکھتا ہے۔ اس واسطے عورت پر یہ ذمہ داری نہیں رکھی گئی۔

سوال:- ہندوستانی مسلمان عورتوں کا پردہ شریعت کے موافق ہے یا خلاف؟

جواب: مصلحت اور رواج نے پردہ داری کو حد سے زیادہ بڑھا دیا ہے۔ قرآن کا حکم بس اتنا ہے کہ عورتیں اپنی زینت وزیبائش کی نمائش شوہر تک محدود رکھیں غیروں کو نہ دکھائیں اور نظریں نیچی رکھیں اس سے زیادہ جو کچھ ہے وہ رواج وقت اور ملک کی ضرورت ہے۔

سوال:- خواب کیا چیز ہے؟

جواب:۔ طبیبوں کے نزدیک معدہ کی تبخیر مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے۔ اہل مذہب اس کو قدرت کا ایک پوشیدہ بھید سمجھتے ہیں۔ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اچھے خواب نبوت کا ایک حصہ ہیں۔

سوال:۔ آج کل قطب عالم کون ہے؟

جواب:- قطب عالم کو پہچاننے کا اس کو درجہ ملتا ہے جو خود اپنے اسرار ظاہر اور اسرار باطن کو پہچان جاتا ہے۔

(ماخوذ از: ماہنامہ منادی نئی دہلی، جلد 40 شمارہ 11)

☆☆☆☆☆



عرس مبارک حضرت خواجہ غریب نواز رحمتہ اللہ علیہ



محفل حلقہ و ذکر ، رایچور

© https://www.khwajahasannizamilife

ادب

از : مولوی ذہین نظامی حیدرآبادی

سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ میں پیر کا تصور عرفان کی ابتداء ہے۔ جب تک پیر کا تصوّر مکمل نہیں ہوتا اور ہر جہت میں پیر ہی پیر نظر نہیں آتا فنافی الشیخ کا مرتبہ نصیب نہیں ہوتا اور جب تک مرید فنافی الشیخ نہیں ہوتا فنافی الرسول کا مرتبہ ہاتھ نہیں آتا اور جب تک فنافی الرسول کا مرتبہ نصیب نہیں ہوتا فنافی اللہ کا مرتبہ سرفراز نہیں فرمایا جاتا۔

ابتدائی مرحلے میں مرید پیر کے ہاتھ میں ہاتھ دیکر خدا وندتعالیٰ کی دستگیری کا حامل ہوتا ہے۔ جو تجلیات جمال پیر کے قلب میں بیعت کے وقت ہجوم کرتی ہیں وہ دست بدست مرید کے قلب اور قالب کو بھی منور کردیتی ہیں۔ اور یہیں سے ادب رونما ہوتا ہے۔ اگر مرید موڈّب نہ ہوتو تصور میں فتور پیدا ہوتا ہے۔ اور نفس وجہل کا غلبہ ہونے لگتا ہے۔ اس کے برعکس ادب کی وجہ سے تصور مکمل ہوجاتا ہے۔ اور نفس سرکشی سے باز رہتا ہے۔ مرید موڈّب ہونے کے بعد منکسرالمزاج ہوجاتا ہے۔ اپنے آپ کو بے حقیقت اور بے قدر تصور کرتا ہے۔ پیر کو اپنا ملجاء وماویٰ سمجھتا ہے اور یہی چیز ترقی کی سیڑھی ہے۔

جب تک اعضاء موڈّب نہ ہوں نگاہیں مودب نہ ہوں۔ زبان مودب نہ ہو، باطنی ادب میسر نہیں آسکتا۔ اور جب تک ظاہر و باطن موڈّب نہ ہوجائیں حقیقت کی راہیں نظر نہیں آتیں۔ ادب کی ابتداء پیر سے ہوتی ہے۔ اور انتہا اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کے حضور میں ہوتی ہے۔

ادب دو قسم کا ہے۔ ایک ادبِ قول، دوسرا ادبِ فعل۔ کلام میں ادب قلب کے ساتھ ہوتو اسی سے فعل میں بھی ادب نمایاں ہوجاتا ہے۔

ایک سائل نے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز رضی اللہ عنہ سے پوچھا جنیدؒ افضل تھے یا بایزیدؒ؟ فرمایا میرا پیر ایک ہے۔ میرا محمد ﷺ ایک ہے۔ میرا اللہ ایک ہے۔ میں اپنے پیر میں سب کچھ نظارہ کرلیتا ہوں۔ پھر مجھے دوسروں سے کیا سروکار!

حضرت ذوالنون مصریؒ کا قول ہے کہ جو مرید جادۂ ادب سے باہر ہوجاتا ہے وہ جہاں تک ترقی کرچکا ہوتا ہے وہاں سے لوٹا دیا جاتا ہے۔

حضرت ابوالحسن نوریؒ فرماتے ہیں کہ ''جو اپنے وقت میں مودب نہیں ہوتا اس کی عمر ضائع ہوجاتی ہے۔'' جب وقت میں موڈّب نہ رہنے والا گویا اپنی عمر برباد کردیتا ہے تو طریقت کا بے ادب کب فلاح کو پہنچ سکتا ہے؟

حضرت ابونصر سراجؒ کا قول ہے کہ ''اہل خصوصیت جو اہل دین سے ہیں ان میں ادب طہارت قلب سے ہوتا ہے۔ ان کے ادب میں اسرار کی رعایتیں ہوتی ہیں۔ ان کے ادب میں عہد کی پابندی ہوتی ہے جو وساوس دل میں آتے ہیں انہیں ادب سے دور کردیتے ہیں۔ جب عالم راز میں رہتے ہیں تو آداب کو ملحوظ رکھتے ہیں اور جب علانیہ مجلس میں بیٹھتے ہیں تب بھی ادب سے بیٹھتے ہیں۔ ان کے حسن ادب کو دیکھ کر اللہ جل شانہٗ انھیں مقامات عالیہ سے سرفراز فرماتا ہے۔ ان کی طلب صادق کام آتی ہے۔ حضوری

© https://www.khwajahasannizami.life

کے اوقات مقرر ہوتے ہیں۔''

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی رحمت سے عارفوں کو تمام آداب طریقت حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی وساطت سے سرفراز فرمائے ہیں تا کہ اللہ جل شانہٗ کے محبوب کے پرستار اپنے مولا کے قدم بقدم چل کر مقام قرب پر فائز ہوں۔ حضور ﷺ تمام آداب ظاہری و باطنی کا مجموعہ تھے۔ حضور ﷺ کے ہر فعل سے ادب کی انتہا معلوم ہوتی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے معراج میں حضور ﷺ کے حسن ادب کو ملاحظہ فرما کر عجیب شان سے فرمایا۔

مازاغ البصر و ماطغیٰ

یعنی میرے محبوب کی آنکھیں نہ جھپکیں نہ کسی اور طرف متوجہ ہوئیں۔ حضور ﷺ نے جب جلوہ ذات کو دیکھا تو صفات کی رنگارنگی افعال کے طلسم بوقلموں حضور ﷺ کو اپنی طرف متوجہ نہ کر سکے۔ مرکز نگاہ ذات تھی۔ اس کے سوا کچھ نہیں۔ یہ تمام آداب میں انتہائی ادب ہے اور گہرا ادب ہے جو صرف حضور ہی کے لئے مختص ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس خبر میں حضور کے قلب مقدس و منور کے اعتدال کو ظاہر فرمایا ہے عجیب شوق و ذوق سے حضور نے توجہ فرمائی اور عجیب کیف و سرور کے عالم میں حق سبحانہٗ وتعالیٰ کا استقبال فرمایا۔ وہ ساری چیزیں جو اللہ تعالیٰ کی غیر تھیں محو کر دیں جو اشیاء منازل طے کرنے میں دیکھی گئیں تخیل سے معدوم ہو گئیں اور سب منازل ادراک سے غائب ہو گئے دنیا و مافیہا منزل ادنیٰ رہ گئی۔ حضور سراپا نور حق جل وعلا کی جانب التفات فرما ہوئے۔ دنیا دار عاجلہ ہے اس کی لذتیں بے کیف منقطع ہو گئیں اور آسمانوں کی دنیا آخرت ہے اپنی تمام ترکیفیتوں سے حضور ﷺ کے دل کو متاثر نہ کر سکی حالانکہ ان دونوں عالموں کی لذتیں ایسی ہیں جن کی حسرت قلوب انسانی میں ہمیشہ باقی رہتی ہے ان کی متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ''تا کہ تمہیں افسوس ہو کہ تم نے انھیں کھو دیا لیکن حضور کے اوصاف حمیدہ ایسے بلند تھے کہ ان دونوں عالموں کی لذتیں حضور ﷺ کے سامنے حقیر ترین بن کر رہ گئیں۔

ہے بندگی قربان تو بندہ نہ خدا ہے
اک نور ہے اور نور کے سانچے میں ڈھلا ہے

مازاغ البصر و ماطغیٰ: حضور ﷺ کے وصف خاص کی خبر ہے۔ مازاغ البصر میں حضور ﷺ کے التفات فرمانے کا حال ہے یعنی حضور ﷺ کس انداز سے حق سبحانہٗ وتعالیٰ کے معائنہ میں محو ہوئے اور کس قدر قریب ہو کر ملاقات فرمائی مقام قاب قوسین پر روح اور قلب نے مالک کا استقبال کیا مقام اوادنیٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کے جلال اور ہیبت سے حیات پائی۔ جہاں توقف کرنا تھا توقف فرمایا عاجزی اور انکساری نے مؤدبانہ طریقہ سے ذوالجلال کا دامن تھام لیا۔ روح فرط انبساط سے بیخود ہو گئی لیکن دیکھنے سے نگاہیں سیر نہیں ہوئیں۔

وماطغیٰ. طغیان سے ہے اس کے معنی سرکشی اور استغناء کے ہیں یہ نفس کا عین وصف ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ بیشک انسان شرکش ہے جب استغنا پاتا ہے تو سرکش ہو جاتا ہے جب روح اور قلب پر مواہبات واردات کا نزول ہوتا ہے تو سماعت کے لئے عالم ملکوت کے ابواب کھل جاتے ہیں اور نفس عین موقع پر اسرار غیب سے مطلع ہو کر مستغنی ہو جاتا ہے۔ بسط کی زیادتی کے ساتھ نفس کی سرکشی بڑھ جاتی ہے بے ادبی ہوتی ہے اور عالم ملکوت کے ابواب بند ہو جاتے ہیں نفس کا طغیان مواہب سے محروم کر دیتا ہے۔

حضرت شیخ شہاب الدین عمر سہر دردی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ ماذاغ البصر سے مراد یہ ہے کہ جنہیں پیچھے چھوڑ دیا انہیں پلٹ کر نہیں دیکھا۔ وماطغیٰ ۔ نہ پیچھے رہ جانے والی چیزوں کا افسوس ہوا یہی استقبال کا حسن ادب تھا مشتاق اپنی کیفیت کے انتہائی حال میں بے خود ہوتا ہے اور نفس سماع میں وجد کرنے لگتا ہے کیفیات امنڈ آتی ہیں ایسے وقت میں اگر حسن ادب ملحوظ خاطر نہ رہے تو نفس میں بے ادبی کی وجہ خودی پیدا ہو جاتی ہے۔ ایسا سالک قربت سے دور اور سماعت سے محروم ہو جاتا ہے اسی طرح بسط کی زیادتی کی وجہ سے نفس حد سے تجاوز کر جاتا ہے پکارتا ہے اے میرے رب مجھے نظر آئیں تجھے دیکھنا چاہتا ہوں۔ فوراً ممانعت ہوتی ہے۔ فضا حیرت سے بھر جاتی ہے آخر بیہوشی کے سوا کچھ نہیں۔ یہی مقامات حبیب وکلیم ہیں ان دونوں مقامات کا فرق ظاہر ہے۔

یکسوئی ہے حضوری یکسو کچھ ایسا ہو جا
وہ دیکھنے کی آئیں تو دیکھنے میں کھو جا

دیدار کا مسئلہ مقربین کے لئے انتہائی دقیق ہے۔ جب نفس کی وجہ حجاب آجاتا ہے تو قبض کہلاتا ہے۔ قبض کھلے ہوئے دروازے کو بند کر دیتا ہے۔ افراط بسط میں نفسِ اعتدال پر قائم رہے تو پھر قبض نہیں ہوتا۔ جو کیفیات اور واردات روح اور قلب پر نازل ہوتی ہیں ان کو حالت اعتدال برقرار رکھتی ہے۔

حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت معراج میں اعتدال پر تھی۔ اس حال میں نفس کا گمان بھی نہ تھا۔ عبودیت کی عاجزی اور انکساری لحظہ بڑھ رہی تھی۔ ہر شئے ادراک سے غائب ہو چلی تھی بارگاہ خداوندی تھی اور محبوب رب العالمین تھے۔

جیسے جیسے کیف میں اضافہ ہو رہا تھا ویسے ویسے قدم آگے بڑھ رہے تھے آخر حضور ﷺ وہاں پہنچ گئے جہاں دو کمانوں کا فاصلہ تھا بلکہ اس سے بھی نزدیک تر پہنچ گئے۔ نور ذات ذات کا آئینہ بن گیا۔

تراہی ہو بہو ہے حسن یارب تیری صنعت کا
ٹپکتا ہے خطوطِ بندگی سے رنگ قدرت کا

ابن عباسؓ ابن عطا فرماتے ہیں کہ ماذاغ البصر وما صغیٰ کا مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ نے اللہ جل شانہ کو بنظر طغیان نہیں دیکھا بلکہ شروط اعتدال کیساتھ دیکھا۔

سہیل بن عبداللہؒ فرماتے ہیں کہ حضور نے شاہد نفس کی طرف توجہ نہیں فرمائی اور نہ مشاہدات پر نظریں دوڑائیں بلکہ کلیتاً اپنے رب کے مشاہدہ میں محو ہو گئے ہر چند کہ رب العالمین کی مکمل صفات حضور ﷺ کے مشاہدہ میں تھیں مگر نگاہ ذات کے سوا کسی پر نہیں تھی۔

یوں تو حضور ﷺ اللہ تعالیٰ کے ہمیشہ ہم جلیس رہے اس کے باوجود ہمیشہ آداب خداوندی کو ملحوظ خاطر رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ عالم ناسوت عالم ملکوت اور عالم جبروت کے تمام حجابات حضور ﷺ کی نگاہوں سے اُٹھ چکے تھے مدینے والے اور عرش والے میں وصل تھا فصل کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ اُس محبوب رب العالمین کا صدقہ ہے کہ سلسلہ عالیہ چشتیہ نظامیہ کے متوالے اپنے حصہ ادب کے مطابق اپنے محبوب میں محبوب رب العالمین کو دیکھتے ہیں اور رب العالمین کے مشاہدہ میں محو ہو جاتے ہیں۔

(ماخوذ از: ماہنامہ منادی، نئی دہلی، اکتوبر ۱۹۶۰ء)

☆☆☆☆☆

اسراف

ماخوذ از : ماہنامہ درویش

خدائے تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ تَمِیْقُ ''تحقیق: خدائے تعالیٰ اسراف کرنے والوں کو نہیں چاہتا ہے'' اگر چہ عام طور پر لوگ اسراف کہتے ہیں فضول خرچی کو یعنی مال کا بے موقع زیادہ خرچ کرنا۔ لیکن حقیقت میں اسراف کہتے ہیں۔ حداعتدال سے گُزر جانے کو جس کی ایک صورت یہ ہے کہ انسان خرچ کرنے میں حداعتدال سے گُزر جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ شریعت کی حدمقررہ سے نکل جائے۔ اس طرح تمام گناہ داخلِ اسراف ہیں۔ اب ہم کو اپنی حالت پیش نظر کر کے دیکھنا چاہئے کہ ہم لوگ اعتدال کی حد پر کہاں تک قائم ہیں۔ اور اس سے کِس قدر نکلے ہوئے ہیں۔ ہماری حالت یہ ہے کہ یا تو بخیلی میں مبتلا ہیں۔ یا فضول خرچی میں کسی وعظ میں بخیلی کی برائیاں سُنی تھیں اس سے بچے تو اسراف یعنی فضول خرچی شروع کردی پہلے بھی حداعتدال سے باہر تھے مگر اسراف کو بُرا نہیں جانتے۔ کیونکہ بخیل آدمی کو عام طور پر حقیر سمجھا جاتا ہے اس لئے بُخل سے کبھی خود نفرت ہوجاتی تھی۔ لیکن فضول خرچ آدمی کو کوئی بُرا نہیں کہتا۔ بلکہ جاہل لوگ اُسے سخی اور عالی حوصلہ مشہور کرتے ہیں اس سے وہ اور خوش ہوجاتا ہے جامہ میں پھولا نہیں سماتا ہے اور پہلے سے زیادہ فضول خرچی کرنے لگتا ہے۔ اسراف ایک ایسا مرض ہے جس کو کوئی مرض نہیں سمجھتا حالاں کہ یہ ایک سخت بلا ہے جس سے بچنا بہت ہی ضروری ہے۔ مگر افسوس ہے کہ لوگ اُلٹا اُس پر خوش ہوتے ہیں، کہ ہم بخیل نہیں ہیں۔ بلکہ بہت خرچ کرنے والے ہیں، یہی وجہ ہے یہ ہم میں یہ مرض گھٹتا نہیں، بڑھتا جاتا ہے غلطی یہ ہے کہ طبیعت جس بات کو اچھا سمجھے ہم اُسے اچھا سمجھتے ہیں، اور جس کو بُرا کہے اُسے بُرا خیال کرتے ہیں، حالانکہ شریعت جس کو بھلا یا بُرا کہے اس کو بھلا یا بُرا جاننا چاہئے۔ یہ طبعی بات ہے کہ فضول خرچی سے چونکہ دوسروں کو نفع پہنچتا ہے اس لئے اُس کو ذلیل نہیں سمجھا جاتا۔ مگر شریعت میں بخیلی اور فضول خرچی دونوں چیزیں بُری ہیں۔ بلکہ فضول خرچی زیادہ بُری ہے۔ اس لئے کہ اُسکے نقصانات زیادہ ہیں بخیلی میں صرف یہی ہوتا ہے کہ دوسرے کو نفع نہیں پہنچتا۔ یہی ایک خرابی ہے کہ بخیل آدمی صدقہ خیرات کو ثواب سے محروم رہتا ہے۔ مگر اس سے دوسروں کو جہاں فائدہ نہیں پہنچتا وہاں تکلیف اور نقصان بھی نہیں پہنچتا۔ بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بخیل اول تو لوگوں کی اکثر خوشامد کرتا ہے اور خوشامد سے اپنا کام نکالتا ہے تاکہ روپیہ خرچ نہ ہو دوسرے وہ خرچ کے ڈر سے کسی کو ستاتا نہیں کسی پر ظلم نہیں کرتا مبادہ کہ وہ نالش کردے اور خواہ مخواہ مقدمہ بازی میں روپیہ خرچ کرنا پڑے۔ مگر چونکہ بخیل سے کِسی کو نفع نہیں پہنچتا۔ اس لئے شریعت نے اس کو جُرم قرار دیا ہے۔ رہا مسرف اس لئے لوگوں کو نقصان بہت پہنچتا ہے کیونکہ آج جو یہ فضول خرچ کر رہا ہے۔ آخر کہاں تک؟ ظاہر ہے کہ قارون کا خزانہ تو ہے نہیں یقیناً ایک دن روپیہ ختم ہوجائے گا۔ پھر یہ لوگوں سے قرض لے گا۔ دوسروں کی امانتیں خرچ کریگا۔ کسی کی چیز مانگ کر بازار میں رہن رکھے گا۔ اور روپیہ اپنے خرچ میں لائے گا۔ اور یوں لوگوں کو تکلیف پہنچائے گا۔ اور اُن کو نقصان کریگا۔ اگر کوئی کہے کہ اس شخص سے نفع بھی تو ہوتا ہے کہ دس پانچ آدمیوں کو دینا دلانا ہے تو سمجھے کہ شریعت کا قاعدہ ہے کہ اگر کسی کام میں ایک مصلحت ہو اور پچاس نقصانات ہوں تو وہ حرام ہی

© https://www.khwajaasanizami.life

ہے۔ پس چونکہ اسراف میں بُرائیاں بہت ہیں۔ اور مصلحت بس ایک ہی ہے۔ کہ دو چار کو بلا کر دعوت دیکر کھلا پلا دیا۔ اس لئے اسراف حرام ہوا۔ یہہ وہ قانون ہے جس پر تمام اہل تمدّن بالاتفاق عمل کرتے ہیں۔ اگر ایک شخص رات کو ڈکیتی کر کے صبح کو سب مال غریبوں میں بانٹ دے تو کیا وہ شخص ڈکیتی کے جرم سے بری ہو جائیگا؟ ہرگز نہیں۔ پس ثابت ہوا۔ اس لئے اسراف بخل سے زیادہ برا ہے۔

اس کے علاوہ ان دونوں میں ایک اور باریک فرق ہے۔ وہ یہ کہ بخل میں یہہ احمال ہے کہ بخیل اپنے مذہب کو چھوڑ دے۔ البتہ اسراف میں یہ اثر دیکھا گیا ہے کہ مسرف اپنے دین کو چھوڑ دیتا ہے۔ بخیل نہ صرف اپنے مذہب پر قائم رہتا ہے بلکہ اکثر بہت دیندار ہوتا ہے۔ نمازیں بہت پڑھتا ہے، روزے بھی بہت رکھتا ہے۔ علاوہ ازیں بخیل کا دل مستغنی ہوتا ہے۔ اُس روپیہ کا نشہ ہر وقت سوار رہتا ہے۔ وہ ہر دم اس تصور میں خوش اور مستغنی رہتا ہے کہ میرے پاس اتنے روپئے ہیں۔ اتنی جائیداد ہے۔ اس نے وہ بھی اپنا مذہب اسلام چھوڑ کر عیسائی یا آریہ نہیں ہوسکتا مگر مسرف ایسا کر بیٹھتا ہے۔ لکھا ہے کہ ایک مسرف صاحب نے اپنی جائیداد اُڑا دی جب خالی ہاتھ رہ گئے تو فاقوں کی نوبت پہنچی۔ ہُنر کوئی آتا نہ تھا کہ اُس سے پیٹ پالتے کیونکہ ہنر سیکھنا آجکل معیوب سمجھا جاتا ہے۔ اُنھیں یہ سوجھی کہ عیسائی ہو جاؤ چنانچہ ہوگئے۔ دیکھئے اسراف کا کیا نتیجہ ہوا۔ کہ دنیا کو کھو دیا۔ پھر اُس کے حاصل کرنے کے لئے دین کو بھی برباد کرلیا۔ جتنے لوگ مسلمان ہو کر عیسائی ہوتے ہیں۔ وہ محض لالچ سے ہوتے ہیں۔ ورنہ یہ کبھی نہیں ہوسکتا کہ اسلام کے مقابلہ میں کوئی دوسرا مذہب دل سے حق معلوم ہو۔ غرض افلاس کی پریشانی ایسی بُری بلا ہے۔ کہ اس کی وجہ سے اسلام کو چھوڑ کر لوگ عیسائی بن جاتے ہیں۔ اور اسراف سے ایسے افلاس کی نوبت آسکتی ہے۔ اور مالدار بخیل کو ایسا روز بد دیکھنا نہیں پڑتا۔ اس لئے بخیل کا دین کو چھوڑنا بہت مشکل ہے۔ تعجب ہے کہ لوگوں نے بخیل کی مذمت میں بہت سی حکایتیں گھڑ لیں، اور فضول خرچ کے لئے کچھ بھی نہیں، افسوس ہے کہ مسلمانوں کے ہاں مال کی قدر نہیں ہوتی، حالانکہ دوسری قومیں اس کی بڑی قدر کرتی ہیں اور یہ باتیں بچپن ہی میں پائی جاتی ہیں۔ اگر ناشتہ کے لئے ایک مسلمان لڑکے اور ایک غیر مسلم لڑکے کو پیسہ ملیں تو مسلمان صاحب مٹھائی خرید لینگے اور غیر مسلم لڑکا سنکھاڑے! غرض اسراف کی بدولت بہت سے خاندان تباہ و برباد ہوگئے ہیں، جن کے آباواجداد بڑے مالدار اور دولتمند تھے آج وہ پھوٹی کوڑی کو ترستے ہیں اور نان شبینہ کو روتے ہیں۔ رشوت کی عادت بھی اسی اسراف کی بدولت ہوتی ہے۔ کیونکہ کفایت شعاری کے ساتھ تنخواہ میں گزر نہیں کیا جاتا ہے۔ لمبے چوڑے خرچ اپنے ذمہ بڑھا لیتے ہیں۔ چونکہ تنخواہ کافی نہیں ہوتی۔ اس لئے خواہ مخواہ رشوت لینی پڑتی ہے۔ اُن سے یہ کہنا کہ خرچ کم نہیں ہوسکتا۔ اور بغیر رشوت کے گذرا محال ہے نادرست اور ناقابل التفات ہے اگر یہ صورت ہو کہ حاکم ایک چپراسی تم پر مقرر کردے کہ جب کبھی یہ شخص رشوت لے فوراً ہم کو اطلاع دیا کرے۔ اور تم کو معلوم ہو جائے کہ حاکم نے میرے لئے یہ انتظام کر رکھا ہے تو اُس وقت تم کیا کروگے؟ یقیناً رشوت نہ لوگے اور جس طرح بن پڑے تنخواہ ہی میں گزارا کرلوگے اب یہی ایک نگراں تم پر موجود ہے اور وہ احکم الحاکمین کا مسلط کیا ہوا ہے۔ اِنَّ عَلَیْکُمْ لَحٰفِظِیْنَ کِرَاماً کَاتِبِیْنَ تَعْلَمُوْنَ مَاتَفْعَلُوْنَ ''تمہارے اُوپر بُزرگ فرشتے نگرانی کے واسطے مقرر کئے گئے ہیں۔ جو تمہارے سب اعمال کو جانتے اور لکھتے رہتے ہیں'' اور روز آنہ رپورٹ خدائے

تعالیٰ کے سامنے پیش کیا کرتے ہیں۔ بڑے ہی افسوس کی بات ہے کہ ایک دُنیوی حاکم کے نگرانی سے تو تمہارے سب حیلے بہانے ختم ہوجاتے ہیں اور رشوت سے تم اپنے ہاتھ روک لیتے ہو حالانکہ سارے خرچ اس وقت بھی موجود ہیں۔ اور حق تعالیٰ کی نگرانی کے خوف سے تم کچھ بھی نہیں کرتے۔ محض عُذر اور حیلے کئے جاتے ہو۔ اسی طرح قرض کے متعلق بعض لوگ کہتے ہیں کہ بغیر قرضہ لئے کام نہیں چل سکتا جواب یہ ہے کہ اگر کہیں سے بھی قرض نہ ملے تو کیا کروگے؟ جو اُس وقت کروگے وہی آج کرو۔

غرض جن کی آمدنی کم ہے وہ یقیناً تو معذور نہیں مگر بظاہر معذور معلوم ہوتے ہیں۔ گویہ عُذر خدائے تعالیٰ کے پاس نہ چل سکے گا۔ لیکن جن کی تنخواہ اور آمدنی زیادہ ہے اُن کو کیا ہوا؟ وہ کیوں رشوت لیتے ہیں؟ ان کے پاس تو کچھ بھی جواب اور کوئی بھی عذر بجز اس کے کہ وہ اسراف کرتے ہیں۔ فضول خرچ ہیں، پس معلوم ہوا کہ رشوت کی بناط بھی اسراف ہی ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ صاحب ضرورت پڑتی ہے۔ جب ہی تو رشوت لیتے ہیں۔ لیکن لوگوں نے ضرورت کی حقیقت ہی نہیں سمجھی۔ ضرورت وہ ہے کہ وہ اُس کے بغیر ضرر اور تکلیف ہونے لگے۔ اگر ہم اس قاعدہ کو پیش نظر رکھ کر اپنے اسباب کا جائزہ لیں اور دیکھیں کہ ضرورت کی چیزیں کتنی ہیں؟ تو بہت سی چیزیں ہم کو ایسی ملیں گی جن کے ہونے کی ہمیں خبر تک نہ ہوگی۔ بھلا اس کو کون ضروت مان لے گا کہ گھر ایسی چیزوں سے بھرا رکھا ہے جس کی بابت یہ بھی نہیں معلوم کہ وہ ہماری ملک میں ہیں۔

حضرات! ضرورت کی چیزیں ہم کو بہت کم ملیں گی اور باقی سارا گھر غیر ضروری اشیاء سے بھرا ہوا نظر آئے گا۔ صائب نے خوب کہا ہے ؎

''حرص قالع نیست صائب ورنہ اسبابِ معاش آنچہ مادر کار داریم'' اکثر یہ درکار نیست دیکھئے سفر میں بس ضرورت ہی کی چیزیں ساتھ رکھ لی جاتی ہیں اور اُن سے کام چل جاتا ہے۔ اور جو چیزیں گھر میں بھری ہوتی ہیں۔ اُن کی سفر میں کچھ ہی ضرورت نہیں پڑتی۔ اس سے یہ مطلب نہیں کہ جو چیز گھر میں زائد ضرورت ہو اس کو نکال پھینکو۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ جو چیز اپنے پاس نہ ہو خدا کی ناراض کرکے فضولیات سے گھر بھرنے کے لئے نہ لو۔

آج کل پابندی فیشن نے بڑا غضب ڈھایا ہے۔ لوگ فیشن کے اتنے ولدادہ ہوگئے ہیں اور اس کو ایسا ضروری سمجھتے ہیں کہ خواہ کیسی ہی تکلیف ہو۔ اور کتنا ہی روپیہ برباد جائے۔ فیشن کو ترک نہیں کرتے۔ لکھا ہے کہ ایک صاحب فخریہ کہتے تھے کہ میرے کوٹ کا کپڑا تو چار روپیہ کا ہے مگر سلائی کے سولہ روپئے دئے! کیوں؟ اس لئے کہ فیشن ہے تو ایسے فیشن ہی کی کیا ضرورت ہے؟

کہتے ہیں کہ فائق شاعر نے غالب کے پاس اپنی ایک غزل بھیجی تھی۔ ایک شعر میں آپ نے لفظ ید کو مشدد کردیا تھا۔ اور حاشیہ پر لکھ دیا تھا کہ بضرورت شعر ایسا کیا گیا ہے۔ غالب کو مذاق سوجھا۔ اُس نے جواب میں دو شعر لکھے۔ جنمیں سے مخفف الفاظ کو مشدّ دکردیا۔

؎ چہ خوش گفت شاعِر غرّا
کہ کس ہمچومن ذہن رسّانہ باشد
چومقام ضرّورتِ شعر اُفتد
نشدّید جائز چرّانہ باشد

غالب نے ثابت کردیا کہ جب شعر میں الفاظ بگڑتے ہیں تو ایسا شعر ہی کہنا کونسا فرض ہے؟ اور کیا ضرور ہے؟ اسی طرح جب چار روپے کے کپڑے کی سلائی سولہ روپئے دینے پڑتے ہیں تو

ایسے فیشن ہی کی کیا ضرورت ہے؟ بجز اس کے کہ خواہ مخواہ روپیہ برباد کیا جائے۔

لکھا ہے کہ ایک مولوی صاحب عبا وغیرہ پہن کر کسی لارڈ سے ملنے گئے تھے۔ لارڈ صاحب نے اُن کو عبا کا دامن پکڑا اور فرمایا کہ مولوی صاحب! اس لباس میں آپ شہزادے معلوم ہوتے ہیں اور یہ بھی کہا کہ مولوی صاحب! ہم تو اپنی قومی وضع سے مجبور ہیں۔ مگر آپ کی قوم کو کیا ہوا کہ وہ اپنی راحت کی وضع چھوڑ کر ہماری وضع اختیار کرتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ لوگ دوسروں کی وضع اس خیال سے اختیار کرتے ہیں کہ اس سے کچھ ہماری عزت ہوگی اور ذلت ہوتی ہے۔ ہر قوم اُسی کو عزّت کی نگاہ سے دیکھتی ہے جو اپنی قومی وضع میں اُن سے ملے۔

لوگ لباس کے علاوہ دوسری اشیاء میں فضول خرچی کرنے لگے ہیں آج کل عجیب عجیب قسم کے کھیل کھلونے نکلے ہیں۔ جن میں مسلمانوں کا پیسہ بہت ضائع ہو رہا ہے پیسہ کی چیز اور چار آنے قیمت پہلے تو کھیل کھلونہ ہی لغو چیز پھر اُس میں پیسہ کی جگہ چار آنے خرچ کرنا کس قدر بیہودہ بات ہے۔ سب سے افسوس کے قابل اور شکایت کے لائق وہ لوگ ہیں جن کی آمدنی کم ہے اور قرض اور اُدھار کر کے بیٹھے بیٹھے اپنے ہاتھوں مصیبت میں پھنس جاتے ہیں۔

اسراف کے مختلف مدارج ہیں۔ اسراف کی تعریف تو یہ ہے ۔ **التجاوُزُ عَنِ الْحَدِّ الشَّرعِیُ** ۔شریعت کی حد سے آگے بڑھنا۔ لیکن جب تک شریعت کے حدود نہ معلوم ہوں اُس وقت تک اُس کی پوری حقیقت معلوم نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ اکثر اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک کپڑا معمولی آدمی پہنے تو وہ مسرف کہلائے۔ اور ایک نواب پہنے تو وہ مسرف نہیں مثلاً دس پندرہ روپئے گز کا کپڑا پہننا نواب صاحب کے لئے اسراف نہیں ہے۔ غریب آدمی کے لئے اسراف ہے۔ بس ایک اسراف تو ایسا ہے جو ہر شخص کی حالت حیثیت اور مقدور کے لحاظ سے ہوتا ہے اور ایک اسراف وہ ہے جس میں کسی کی حیثیت کا لحاظ نہیں ہوتا۔ یا یوں سمجھئے کہ ایک اسراف عام ہے جو ہر شخص کے لئے اسراف ہے اور ایک اسراف خاص کہ وہ بعض لوگوں کے حق میں اسراف ہے۔ اور بعض کے حق میں نہیں۔

اسراف عام یہ ہے کہ جس چیز کی شریعت میں صریح ممانعت ہر مسلمان کے لئے آئی ہے۔ اس کا مرتکب ہونا مثلاً مرد کے لئے چار اُنگل سے زیادہ ریشمی کپڑا جائز نہیں یا اتنا نیچا پاجامہ جس سے ٹخنے ڈھک جائیں۔ حرام ہے۔ یا ایسا لباس کہ کفار کے ساتھ اُس میں مشابہت ہوجاتی ہو۔ ناجائز ہے یا یہ کپڑا تو اسلامی ہے اور ریشم کا کپڑے میں اور نہ ٹخنوں سے نیچا ہے۔ بظاہر بالکل شریعت کے مطابق ہے۔ مگر نیت اچھی نہیں مثلاً علماء کی وضع اس خیال سے اختیار کی جائے۔ کہ لوگوں میں ذرا شان امتیاز پیدا ہوگی یہ بھی حرام ہے یہ مرض نمائش کا زیادہ تر عورتوں میں ہوتا ہے کہ وہ کپڑا خریدینگی یا زیور بنائینگی۔ تو اس نیت سے کہ وہ کپڑا یا زیور ایسا ہو کہ محلّہ یا برادری میں ویسا نہ نکلے۔ چونکہ عزت ہر شخص کو پیاری ہے۔ اس لئے صاحب کمال اُس عزت پر خوش رہتا ہے جو اس کی کمال کی بدولت حاصل ہے۔ لیکن جس کے پاس کمال نہیں وہ دوسرے ذرائع سے اپنی عزت بڑھانے کی کوشش و تکلیف کرتا ہے۔ چنانچہ عورتوں میں کمال تو ہوتا نہیں۔ اس لئے وہ رات دن تکلف اور بناؤ سنگھار کی فکر میں رہتی ہیں غضب یہ ہے کہ لڑکیوں کو بھی بچپن ہی سے زیور میں لاد دیا جاتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ زیور کا اُن

میں بیجا شوق پیدا ہوجاتا ہے اوراخلاق پر بُرا اثر پڑتا ہے کہ ہمجولیوں میں اپنے تئیں بڑی سمجھنے لگتی ہے۔ اس کے سوا زیور کی بدولت اکثر لڑکے لڑکیوں کی جان کے لالے پڑجاتے ہیں۔ کہ چوراُچکّے زیور کے لالچ میں بچوں کے گلے گھونٹ دیتے ہیں۔

لکھا ہے کہ جب تک لڑکی پردے میں نہ بیٹھ جائے۔ اُس وقت تک ہرگز اس کو زیور نہ پہنائیں۔ اور پردہ کا وقت سات برس کا سن ہے۔ اس لئے کہ حدیث شریف میں ہے۔ مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بَا لصَّلٰوۃِ اِذَا بَلَغُوْ اسَبْعًا اپنے بچوں کو نماز پڑھنے کا حکم سات برس کی عمر سے کرو۔ چونکہ پردہ بھی حکم شرعی ہے اور اُس کا بلوغ سے پہلے ہی شروع کرنا نہایت ضروری ہے۔ اس لئے سات برس کی لڑکی کو پردہ کی عادت ڈالنی چاہئے۔ غرض عورتوں کو ہردم زیور کا نشہ چڑھا رہتا ہے جہاں بیٹھیں گی اور جس تقریب میں جائینگی۔ اسی کی باتیں ہوتی رہینگی۔ کبھی ایسا نہیں دیکھا گیا کہ چار عورتیں جمع ہوکر دین کا تذکرہ کرتی ہوں۔ روایت ہے کہ دن رات میں کسی وقت خدا تعالیٰ کی خاص عنایت ہوتی ہیں۔ اس کے لئے تم کو آمادہ رہنا چاہئے۔

یک چشم زون غافل ازاں شاہ بنانشی
باشد کہ نگاہ ہے کُند آگاہ نباشی

مگر سخت افسوس ہے کہ اُس کا ذکر بھی لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ اور زیور کا اِتنا خیال کی کسی وقت دل سے نہیں اُترتا۔ اگر تم سے ہر وقت خدا کی طرف دھیان لگانا نہیں ہوسکتا ہے تو کم از کم اتنا تو کرو۔ کہ خدا سے غافل کرنے والے اسباب جمع نہ کرو خدا نے اگر دیا ہے تو کھاؤ پہنو مگر جیسا کچھ ملے۔ اس پر قانع رہو۔ یہ کیا ضرور ہے کہ محلّہ سے صلاح لیتے پھرو کہ بہن یہ کپڑا کیسا ہے؟ یہ چھینٹ اچھی وضع کی ہے یا نہیں ارے بھائی! وہی چیز اچھی ہے جو تمہارے من کو بھائی۔ لیکن عورتوں کو اس کا خبط ہوتا ہے کہ ایسا کپڑا پہنیں۔ جن پر چار بی بیوں کی نگاہیں پڑیں۔ پھر غضب یہ کہ سارے اچھے کپڑے سی پروکر ٹانک کر صندوق میں رکھے جاتے ہیں۔ گھر میں شوہر کے سامنے ان کا استعمال نہیں ہوتا۔ اگر وہ شوہر کے سامنے ایسا کرتیں تو خیر یہ جائز بھی ہوتا کیونکہ شوہر کے لئے بناؤ سنگھار اور زینت وآرایش کرنا مسنون اور موجب ثواب ہے۔ گو شوہروں کے سامنے تو یہ عورتیں خراب وخستہ حالت میں رہتی ہیں اور جب کہیں جاتی ہیں تو نواب زادی اور بیگم بن کر اور پھر وہاں جاکر چین سے ہی نہیں بیٹھیں۔ بلکہ ہر ایک کو دیکھتی ہیں کہ کس کا زیور کتنا اور کس کا لباس کیسا ہے؟

اور واپس آکر خاوندوں سے فرمائش کرتی ہیں کہ جتنا اور جیسا سامان فلانی کے پاس ہے۔ اُتنا اور ویسا ہی ہم کو بھی لادو۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ شوہر ناجائز ذرائع اختیار کرنے اور رشوت وغیرہ لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

لکھا ہے ایک شخص کی تنخواہ بیس ۲۰ روپئے تھی۔ ایک بار عورتوں کے مجمع میں اس کی بیوی سے کسی نے پوچھا کیا کہ تمہارے شوہر کی کیا تنخواہ ہے؟ اس نے بیس روپئے بتلانے میں ذلت سمجھی زیادہ تو بتلا نہیں سکتی تھی کہا کہ تنخواہ تو بیس روپئے ہے۔ مگر ماشاءاللہ اوپر کی آمدنی بہت ہے۔ استغفراللہ رشوت لیتے لیتے اُس کی بُرائی دل سے ایسی نکلی کہ اُس پر ماشاءاللہ پڑھا جانے لگا جس زینت جس بناؤ سنگھار کا انجام یہ ہو۔ آخر اُس کا حشر کیا ہوگا؟

عاقبت سازد ترا از دیں بَری
این تن آرائی وایں تن پروری

کہ آخر کار اس آرائش وتن پروری میں دین برباد ہوجائے گا۔ غرض عورتوں کو ہر وقت فکر رہی ہے۔ لباس زیور کے اچھا اور قیمتی

ہونے کی۔اوراس میں نیت ہوتی ہے تکبر وتفاخر کی اس لئے حرام اور داخل اسراف ہے۔

لباس کے پہننے میں نیت کے چار درجے ہوتے ہیں۔ تین جائز ایک حرام لباس ایک تو اس نیت سے پہنا جائے کہ ضروت رفع ہو۔اس کے لئے کھادی بھی کافی ہے یہ نیت تو طاعت ہے۔ دوسرے اس نیت سے کہ آرام وآسائش حاصل ہو۔اس صورت میں کپڑا قیمتی ہوگا۔مگر فوق البھڑک ہونا ضروری نہیں یہ جائز ہے۔ تیسرے اس نیت سے کہ آرائش یعنی تجمل ہو۔مگر تجمل کے کیا معنی؟ یہ کہ اپنا دل خوش کرنے کے لئے عمدہ لباس پہنا جائے۔ اس کا مضائقہ نہیں۔ چوتھے اس نیت سے کہ نمائش ہو۔یعنی دوسروں کو دکھانے اور دوسروں سے نظر میں لڑانے کی نیت ہو یہ تکبر کا نمونہ ہے اورحرام ہے۔چنانچہ روایت میں ہے۔ مَنْ لَّبِسَ ثَوْبَ شُهْرَةٍ اَلْبَسَهُ اللّٰهُ ثَوْبَ الذُّلِّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ''جوشخص نمایش کا لباس پہنے گا۔خدائے تعالیٰ اُس کو قیامت کے دن ذلّت کا لباس پہنائے گا۔''پس آپ عمدہ لباس پہنئے مگر نیت یہ ہو کہ اس سے اپنا دل خوش ہوگا۔نمائش کی نیت نہ کیجئے۔مگر اس میں بھی کس قدر تفصیل ہے وہ یہ کہ اگر کوئی عمدہ لباس اس نیت سے پہنے کہ دوسرے اُس کو حقیر نہ سمجھے تو یہ جائز ہے۔اس لئے کہ ذلت سے بچنا بھی مطلوب ہے۔ اگر کوئی رئیس کھادی کا کپڑا پہننے لگے تو لوگ اُس کو بخیل کہیں گے۔ جس سے اُس کی ذلت ہوگی۔اس ذلت سے بچنے کے لئے عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔مگر یہ نیت جائز نہیں کہ لوگوں میں ہماری بڑائی ہوگی۔بعض لوگ فطرتاً زینت پسند واقع ہوتے ہیں۔ اور بچپن ہی سے عمدہ لباس پہننے کے عادی ہوتے ہیں۔

ان کا مقصود نہیں ہوتا۔اُن کے لئے عمدہ لباس کا پہننا جائز نہیں۔لیکن اس بات کی پہچان کہ خوبصورت لباس کو ان طبیعت کی لطافت و نفاست کے سبب پہنتا ہے اور کون نمائش کے لئے یہ ضروری ہے کہ دیکھو کہ یہ شخص تنہائی میں کیسا رہتا ہے اگر اپنے گھر میں بھی زینت سے رہتا ہے۔عمدہ لباس پہنتا ہے تو وہ لطافت مزاج کی علامت ہے۔اور اگر گھر میں معمولی حالت سے رہتا ہے اور باہر بن ٹھن کر نکلتا ہے تو یہ تکلف اور نمائش ہے۔

بعض عورتیں جابجا زیور نہیں پہنتی وہ اور چالیں چلتی ہیں محفل میں بیٹھ کر گرمی کے بہانے سے گلا کھول کر دکھلا دیا۔گریبان کے بٹن کھول دیئے۔کان کھول کر دکھلا دیئے۔جب سب نے دیکھ لیا کہ ان کے پاس بہت زیور ہے تو اب بھلی مانس بن کر بیٹھ گئیں۔

حضرت !انہیں یہ ترکیبیں سکھلاتا کون ہے؟ وہی تکبر یہی تکبر بہت بُری بلا ہے اس سے دور رہنا چاہئے۔پابندی رسوم نے بھی ہم مسلمانوں کو مسرف بنادیا ہے شادی غمی کی بہت سی نائز رسمیں اختراع کرلی ہیں اور اُن کا ایسا اہتمام کیا جاتا ہے کہ گویا وہ فرائض و واجبات سے ہیں چھٹی چہلم بسم اللہ خوانی گل پوشی، دہم، چہلم وغیرہ تقاریب کے فرائض سے زیادہ پابندی کرتے ہیں۔فرائض وواجبات کے ترک کردینے میں نہایت بیباک ہیں،عقیقہ،قربانی زکوٰۃ وغیرہ کی پرواہ نہیں کرتے۔مگر ان رسومات کے لئے ایسے پابند کہ رقم پاس نہ ہوتو قرض قائم لیکر حیثیت کی حد اور شریعت کے دائرے سے نکل جاتے اور مصیبت کے غار اور معصیت کے گڑھے میں جا گرتے ہیں ہم کو چاہئے کہ خلافِ شرع رسوم سے بچیں اور مقدور سے زیادہ جائز اُمور میں بھی خرچ نہ کریں یہ تفصیل تھی اسراف عام کی۔

رہا اسراف خاص ۔ وہ ایک شخص کیلئے اسراف ہے اور دوسرے کیلئے نہیں۔اس میں غریب لوگ زیادہ مبتلا ہیں اگر ایک

مالدار گنجائش والا ایک قیمتی کپڑا خریدنا چاہے۔اور اس میں نمائش کی نیت ونمود نہ ہوتو اس کے لئے جائز اور داخل اسراف نہ ہوگا لیکن وہی اگر حکم شرعی سے گرز جاتا ہے۔کیونکہ شرعیۃ میں سے ایک علم یہ بھی ہے کہ مقدور سے زیادہ خرچ نہ کرو۔اس ممانعت میں راز یہ ہے کہ وسعت سے زیادہ خرچ کرنے والا قرضہ لے گا اور قرضہ لینا بلا ضرورت جائز نہیں کہ اُس سے پریشانی ہوتی ہے۔اور خواہ مخواہ اپنے میں پریشانی میں اضافاہ ہوگا۔نیز بعض دفعہ قرض لینے سے ذلت بھی ہوتی ہے۔اور اپنے کو ذلیل کرنا ہی جائز نہیں۔حدیث شریف میں آیا ہے لَایَنْبَغِیْ لِلْمُوْ مِنُ اَنْ یَذِنَّ نَفْسَہٗ ’’مسلمان کو جائز نہیں کہ اپنے تئیں ذلیل کرے۔‘‘قَالُوْ ایَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَلَیْفَ یَذُلُّ نَفْسَہٗ قَالَ یُحَمَّلُ مِنَ الْبَ لَاءِ مَالَا یُطِیْقُہٗ ۔صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ مسلمان اپنے کو ذلیل کیونکر کرتا ہے؟ فرمایا کہ اپنے سر پر ایسی بلا لے کہ جس کے تحمل کی اس میں طاقت نہیں۔غرض قرض سے وہ بہت سی برائیوں میں مبتلا ہوجائے گا۔جُوّا کھیلے گا۔رشوت لے گا ظلم وزیادتی کریگا۔اس طرح کہ جب ایک شخص باوجود گنجائش نہ ہونے کے اچھا کپڑا پہنے تو اس کا ایسا کرنا آئندہ چل کر مصیبت کا سبب ہوگا۔اس لئے شریعت کا حکم ہے کہ یہ اسراف ہے۔ ورنہ جائز ہے۔ بزرگوں کا ارشاد ہے کہ آج کل مسلمانوں کو چاہئے کہ روپیہ پاس رکھیں۔خالی ہاتھ نہ رہیں۔کیونہ آج کل افلاس ہزاروں گناہوں کا دروازہ بن گیا ہے۔البتہ ایسا شخص اس قاعدہ سے مستثنیٰ ہے جس کے ذمہ کسی کا حق نہ ہواور خود وکل اور مستغنیٰ المزاج ہو نہ بیوی ہو نہ بچے ہیچ نداریم غم ہیچ نداریم کا مصداق ہو۔ایسا شخص اگر مفلس اور خالی ہاتھ رہے تو مضائقہ نہیں افلاس اس کو گناہوں میں مبتلا نہ کرسکے گا۔لیکن اگر کوئی عیالدار ہے تو مضائقہ نہیں افلاس اس کو گناہوں میں مبتلا نہ کرسکے گا۔لیکن اگر کوئی عیالدار ہے تو اس کے لئے وسعت سے زیادہ خرچ کرنا جائز نہیں، کیونکہ اُس کے ذمے اہل وعیال کا بھی حق ہے۔یہ بری بے حمتی اور بے غیرتی ہے کہ اپنے کھانے کپڑے کی تو فکر ہو اور اہل وعیال کی فکر نہ ہو۔

بہ ہیں آن بے حمیت را کہ ہرگز
نخو اہد دیدروئے نیک بختی
تن آسانی گرنیند خویشتن را
زن و فرزندبگزا روبہ سختی

پس غریب آدمی کا بھڑک سے رہنا اور زینت وآرائش کی فکر کرنا اسراف میں داخل ہے۔کیونکہ خرچ اُس کی وسعت سے زیادہ ہوگا۔

حضرات! اِن بُرائیوں اور نقصانات سے واقف ہونے کے بعد ہمکو اسراف سے اہتمام کے ساتھ بچنا چاہئے۔اور حتی الامکان اپنی معاشرت سنبھالنی چاہئے۔ورنہ اُس کا انجام ہلاکت ہوگا۔خدائے تعالیٰ کا اِرشاد ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْمُسْرِفِیْنَ ۔حق تعالیٰ اِسراف کرنے والوں کو نہیں چاہتا۔اس آیت میں خداوند کریم یہ بتلا رہا ہے کہ تم ہمارے پیارے ہو اور ہم نے تم کو بغیر تمہارے کچھ کئے محبوب بنایا ہے۔تم کو ہمارے اس محبت کی حفاظت کرنی چاہئے۔ہم اِسراف کرنے والوں کو نہیں چاہتے تو تم کو اسراف سے بچنا چاہئے۔

خاتمہ پر خدائے تعالیٰ سے دُعاء ہے کہ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ وَ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالیٰ عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا وَ مَوْلَا نَا مُحَمَّدٍ وَّ عَلیٰ آلِہٖ وَ اَصْحَا بِہٖ اَجْمَعِیْنَ وَ آخِرُ دَعْوٰ نَا اَنِ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ (واعظ)

(ماخوذ از: درویش، جلد6، شمارہ8,9۔بابت 15/اپریل ویکم مئی 1926ء)

☆☆☆☆☆

منتخب روزنامچہ خواجہ حسن نظامیؒ

۶؍شعبان ۱۳۷۱ھ یکم؍مئی ۱۹۵۲ء جمعرات حیدرآباد

آج شام کو سلیمہ خاتون صاحبہ نے حضرت خواجہ صاحب اجمیریؒ کی ماہانہ نیاز اپنے مکان پر بہت دھوم سے کی تھی۔ قوالی کی مجلس بھی ہوئی تھی حضرت حبیب عیدروس صاحب اور بہزاد دکن نظامی وغیرہ بھی شریک ہوئے تھے۔ میں نے کھانا بھی وہیں کھایا تھا۔

نام بدل دیا: آج میں نے سلمہ خاتون صاحبہ کی اکلوتی لڑکی عابدہ خاتون اہلیہ نواب شاہ عالم خاں صاحب کا نام بدل دیا اور چشتیہ خاتون نام رکھا۔

۷؍شعبان ۱۳۷۱ھ ۲؍مئی ۱۹۵۲ء جمعہ حیدرآباد

آج جمعہ کی نماز خیریت آباد کی جامع مسجد میں پڑھی تھی۔ اور خواجہ راجہ لچھا ریڈی نظامی کے مکان پر کھانا کھایا تھا۔ منگل ہاٹ محلے کے مریدوں کے مکان پر بھی گیا تھا نئے لوگوں نے بیعت بھی کی تھی۔ مگر شجرے موجود نہیں ہیں۔ گرمی کا موسم عروج پر ہے شکر ہے میری ہمت موسم کی اور حالات کی ہر مشکل پر غالب ہے۔

۸؍شعبان ۱۳۷۱ھ ۳؍مئی ۱۹۵۲ء شنبہ حیدرآباد

وزیر اعظم سے ملاقات: آج بی رام کشن راؤ صاحب وزیر اعظم حیدرآباد سے ملاقات کی تھی۔

منصور نظام آج بمبئی چلے گئے جہاں دو مہینے قیام کریں گے۔ چراغ النساء باشا بیگم نظامی میرے مرحوم خلیفہ ڈاکٹر محمد قمر الدین ہلالی شاہ نظامی کی برادرزادی نے اپنے مکان پر میری اور میرے مریدوں کی بڑی دھوم دھام کی دعوت کی تھی۔

حکیم خسرو شاہ نظامی اور خوش اقبال شاہ نظامی کے مکانوں پر گیا تھا۔

۹؍شعبان ۱۳۷۱ھ ۴؍مئی ۱۹۵۲ء اتوار سرحیدرآباد

نیلم نظامی: ناندیڑ عثمان شاہی ملز سے عبدالقادر نیلم نظامی اور فخر اللہ خاں نظامی وغیرہ بھائی مجھے ناندیڑ کا بلاوا دینے آئے ہیں میرا یہ سفر دکن تو محض ان ہی کے بلاوے سے ہوا ہے کیونکہ دہلی میں ان کے روزانہ تار اور ٹیلی فون آتے تھے۔

یہ بلگام کے رہنے والے ہیں اور عرصہ دراز سے عثمان شاہی ملز میں ملازم ہیں۔

عرس: آج شام کو جناب زور صاحب صدر ادارۂ ادبیات اردو حیدرآباد کے والد ماجد کے عرس میں گیا تھا۔ زور صاحب کے فرزند ابھی حج کر کے آئے ہیں اور وہ اس درگاہ کے سجادہ نشین ہیں۔ سترہ ۱۷ سال کی عمر ہے۔ عربی لباس اور عربی عقال ان کو بہت اچھا معلوم ہوتا ہے عرس میں میرے مرید بھی بہت شریک ہوئے تھے۔ میں نے نوعمر سجادہ نشین صاحب کو قوالی میں نذریں دیں اور ان کی دست بوسی بھی کی۔ واپسی کے بعد بعض لوگوں نے سوالات لئے کہ سجادہ نشین ہر لحاظ سے چھوٹے ہیں تو آپ نے ان کو نذریں کیوں دیں اور ان کے ہاتھ کیوں چومے؟ میں نے جواب دیا وہ جس درگاہ کے سجادہ نشین ہیں ان کا روحانی درجہ مجھ سے بہت بڑا ہے اس لئے میں نے کم عمر سجادہ نشین میں ان کا جلوہ دیکھا اور ان کو نذریں دیں۔

محمد بن قاسم سترہ ۱۷ برس کی عمر کا ایک لڑکا پانچ ہزار عرب لے کر آیا اور سارا سندھ اور ملتان فتح کر لیا۔ اور آج وہاں پاکستان کا پایۂ تخت ہے۔

میں سیاسی آدمی نہیں ہوں لیکن اپنے اسلاف اور سب

© https://www.khwajahasannizami.life

مشائخ صوفیہ کا غلام ہوں اس لئے ان کی عزت اور ان کے جانشینوں کی عزت کرتا ہوں۔اوران کے آگے سر جھکاتا ہوں۔

غرور اور گھمنڈ کا جواب چاہتے ہوتو کہتا ہوں کہ میں نے اس بچے کو بڑا بنادیا۔اس کے باپ اردوادب کے سرتاج ہیں۔اور میں اردوادب کا خادم ہوں اس لئے ہرلحاظ سے مجھے مراسم قدیم کی عزت کرنی ضروری ہے۔اس کے علاوہ بچے کے سر پر عربی عقال تھا اس کے سامنے کیوں کر نہ جھکتا۔

۱۰رشعبان ۱۳۷۱ھ ۵رمئی ۱۹۵۲ء پیر حیدرآباد

چمن آرا بیگم کے ہاں دعوت: آج ملک دکن کی سب سے بڑی شاعرہ بشیر النساء بیگم بشیرؔ کے ہاں شام کی دعوت تھی۔میں نے ان کو چمن آرا کا خطاب دیا ہے کیونکہ یہ اردو شاعری کے چمن کو آراستہ کرنے والی ہیں۔ان کے کلام کا مجموعہ جناب زور صاحب صدر ادارۂ ادبیات اردو دکن نے آبگینہ شعر کے نام سے چند سال ہوئے شائع کیا تھا۔میں نے اس بے مثال مجموعۂ کلام کا نام ذرا واضح اور عام فہم کرنے کے لئے ''سخن دکن کا چمن'' تجویز کیا ہے۔اس مجموعہ کلام میں بھارت اور پاکستانی قلم کاروں کی نسبت بھی چمن آرا نے ایسے منظوم خیالات ظاہر کئے ہیں لاجواب جوہر سخن شناسی کا نمونہ ہیں۔ڈاکٹر سر محمد اقبال مرحوم کی نسبت ان کی نظم اس قابل ہے کہ بھارت اور پاکستان کے سب جوہر شناس اس پر غور کریں تاکہ ان کو معلوم ہو کہ اردو شاعری میں ایسی عورتیں بھی موجود ہیں جو اقبال کو ممالک ایشیاء کے قدر شناسوں سے کہیں زیادہ جانتی ہیں چمن آرا نے اپنی نظم میں اقبال کے ان محاسن بطع کو بیان کیا ہے جو ابھی تک بھارت اور پاکستان کے اہل ادب کی توجہ میں نہیں آئے تھے۔

آج کی دعوت میں کھانے بھی مختلف غزلوں کی لذت رکھتے تھے اور کھانے والے بھی ایسے جمع ہوئے تھے جو ادبیات اردو اور شاعری کے کمالات رکھنے والے تھے۔میں نے اپنے معدے اور صحت کی حالت سے بےفکر ہوکر سب کچھ کھایا۔

چمن آرا کے شوہر مرزا ضامن علی صاحب گتے دار کے بھائی اوران کے لڑکے بھی شریک طعام تھے۔

گذشتہ سفر کے وقت میں اس گھر میں رات کو رہا تو پڑوس میں سیاسی جلسہ ہورہا تھا۔مختلف سیاسی پارٹیوں کی تقریریں سُن کر میں نے حیدرآبادی سیاست کو آسانی سے سمجھ لیا تھا۔آج مغرب کی نماز پڑھ کر کچھ دیر بیٹھا تو پھر پڑوس سے سیاسی بات چیت سنائی دی۔اوردل نے کہا یہ کوریا ہے جہاں یورپ اورامریکہ اورروس کے متضاد خیالات والوں کی آوازیں گونجا کرتی ہیں۔

مگر میں تو چمن آرا کی شاعری میں سارا جہاں دیکھتا ہوں۔

۱۱رشعبان ۱۳۷۱ھ ۶رمئی ۱۹۵۲ء منگل حیدرآباد

آپریشن: بہزاد دکن کی خوش دامن صاحبہ کچھ علیل ہیں اورسکندرآباد کے اسپتال میں ان کا آپریشن ہونے والا ہے۔بہزاد دکن کی اہلیہ اوران کے بھائی مولانا قطب الدین صاحب وغیرہ بھی مریضہ کے پاس ہیں۔

۱۵رشعبان ۱۳۷۱ھ مطابق 10رمئی 1952ء سنیچر، ناندیڑ

گرودوارہ: شام کو گرو گوبند صاحب گرودوارے میں گیا تھا جہاں سکھوں نے بہت خاطر مدارات کی اور مجھے سروپا دیا تھا میں نے بھی گرودوارے لنگر کیلئے نذر پیش کی گرودوارے کے تفصیل حالات آئندہ شائع کرونگا۔حضور نظام کی حکومت نے ایک معقول جاگیر بھی اس گرودوارے کو دی تھی۔جواب بھی قائم ہے۔گرودوارہ بہت شان دار ہے۔اورانتظام بہت اچھا ہے۔

فخر اللہ خاں نظامی کے والد صاحب بہت اچھے آدمی ہیں۔اینٹ بنانے کا کارخانہ چلاتے ہیں۔

آج میرے فوٹو بھی لئے گئے عثمان شاہی ملز میں بہت اچھا کپڑا تیار ہوتا ہے جو باہر کے ملکوں میں بھی جاتا ہے۔ پانچ ہزار مزدور کام کرتے ہیں۔ ہندو مسلمان دونوں اولیاء اللہ اور درویشوں سے عقیدت رکھتے ہیں۔میل کے اعلیٰ منتظم عبدالغفور صاحب نے بھی آج شام کو اپنے مکان پر شان دار دعوت کی تھی۔

نیلم نظامی اور فخر اللہ خاں نظامی نے تحائف بھی دیئے اور نذریں بھی دیں۔رات کو دس بجے ناندیڑ سے واپسی ہوئی۔اسٹیشن پر بہت زیادہ آدمی پہنچانے آئے تھے۔ان کی محبت اور عقیدت کا میرے دل پر بہت اثر ہوا۔اوران کی شب برات کی عبادت مجھے ہمیشہ یادرہے گی۔ کیونکہ شب برات کی عبادت اکیلا کیا کرتا تھا جماعت کے ساتھ عبادت کا یہ پہلا موقع تھا۔رات ریل میں آرام سے بسر ہوئی۔

۱۶رشعبان ۱۳۷۱ھ ۱۱رمئی ۱۹۵۲ء اتوار حیدرآباد

صبح سکندرآباد اسٹیشن پر بہزاد دکن نظامی استقبال کے لئے موجود تھے۔ان کی خوش دامن صاحبہ کا آپریشن ہوگیا ہے اور خدا کے فضل سے وہ اچھی ہیں۔

بہزاد دکن نے اوران کی بیوی بچوں اورنوکروں نے اس سفر میں میری وجہ سے بہت تکلیف اُٹھائی اور مجھے اس گھر میں اپنے گھر سے زیادہ آرام ملا۔

کامل الیقین نظامی: آج دوپہر کو حاجی عبالغفور کامل الیقین نظامی تاجرآہن افضل گنج کے مکان پر دعوت تھی ان کی محبت اورعقیدت بہت قدیمی ہے۔اوران کے مجھ پر بہت احسانات ہیں ان کے بڑھ بھائی کو میں نے صادق الیقین خطاب دیا تھا۔

☆☆☆☆☆





© https://www.khwajahasannizami.life

اردو کی نشو ونما میں صوفیاء کا حصہ

از: خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلی رحمتہ اللہ علیہ

اردو زبان صوفیاء کرام کی خانہ زاد ہے۔ انہی کے گھر میں اس نے جنم لیا اور انہی نے اس کو پال پوس کر پروان چڑھایا اور کسی قابل بنایا۔ ورنہ کسے پڑی تھی کہ عربی، فارسی، ترکی، سنسکرت جیسی درباری سرکاری اور اونچی ذات کی زبانوں کا بیاہ مقامی اور نیچ ذات بولیوں سے رچاتا اور ان کی دوغلی اولاد کو کلیجے سے لگاتا۔

کہنے کو تو بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں لیکن جی لگتی بات یہی ہے کہ اگر صوفی ہندوستان میں نہ آتے تو شاید اردو کا جنم بھی نہ ہوتا۔ صوفی کے لئے کائنات میں کوئی بھی غیر نہیں ہے۔ اس کا عقیدہ ہے کہ ہر جگہ اور ہر رنگ میں ایک ہی حقیقت جلوہ گر ہے۔ اس لئے وہ جہاں بھی جاتا ہو محبت کا پیغام لے کر جاتا ہے۔ حضرت خواجہ صاحب اجمیری رحمتہ اللہ علیہ اور دوسرے سو صوفیاء کرام بھی ہندوستان آئے تو محبت ہی کا پیغام لے کر آئے تھے۔ یہ حضرات شاہی درباروں سے دور رہے کیونکہ وہاں محبت کی بجائے کسی اور چیز کا چلن تھا۔ انھوں نے اپنے دربار لگ سجائے جہاں محبت کی حاکم تھی اور محبت ہی محکوم تھی اور جہاں یہیں آواز سنائی دیتی تھی کہ

ذات پات پوچھے نا کوئے
ہر کو بھجے سو ہر کا ہوئے

محبت کی اس فرماں روائی نے حکم محکوم کو ایک دوسرے کی زبانوں سے آشنا کیا اور دوئی کی بجائے ان میں یگانگت پیدا کی اردو اسی سنجوگ کی یادگار ہے۔

صوفیوں نے خود پھل کر کے نئے دیس کی نئی بولیاں سیکھیں۔ حضرت بابا فرید الدین مسعود گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ سے ملتانی زبان میں بہت سا منظوم کلام منسوب کیا جاتا ہے۔ ان کے ملفوظات میں میں جگہ جگہ مقامی زبانوں کے پیارے پیارے بول فارسی کی گود میں مہکتے نظر آتے ہیں مثلاً جب انھوں نے اپنے مرحوم خلیفہ حضرت جمال الدین ہانسوی کے ننھے بچے کو خلافت سے سرفراز کیا تو بچے کی آیا حیران ہو کر کہنے لگی کہ:

"خوجا بالا ہے"

یعنی یہ تو ابھی بہت چھوٹا ہے اور حضرت بابا صاحب نے جواب میں فرمایا: "پونوں کا چاند بھی بالا ہے"

یعنی چودھویں کا چاند بھی تو ابتدا میں چھوٹا ہی ہوتا ہے۔

پریم بانی کا یہ رس جب کانوں سے بڑھ کر دلوں تک پہنچا اور یکجائی اور یگانگت کی بدولت حاکم و محکوم کی زبان پر ایک دوسرے الفاظ چڑھنے لگے تو صوفیوں نے محسوس کیا کہ اس طرح ایک نئی زبان کی بنیاد بھی پڑ سکتی ہے جس کو سب لوگ آسانی سے سمجھ سکیں گے۔

یہ وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کا نظم روحانی یادش بخیر سلطان المشائخ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء محبوب الٰہی رحمتہ اللہ علیہ کے ہاتھ میں تھا اور برصغیر کے طول و عرض میں ہر طرف ان کا طوطی بول رہا تھا انھوں نے اپنے نو رتنوں خاص کر حضرت امیر خسرو کو توجہ دلائی کہ ہماری وحدت پرستی نے جس طرح حاکم و محکوم کو ایک کر دیا۔ اور تم کو دجلہ و فرات اور گل و بلبل کے ساتھ گنگا جمنا اور مور پیپیے کا حسن بھی نظر آنے لگا۔ اسی طرح ضرورت ہے کہ بولیاں بھی شیر و شکر کر دی جائیں۔ چہل روزہ کے علاوہ کسی اور جگہ۔ یہ حکم اگرچہ کسی واضح فرمان کی شکل میں نہیں ملتا لیکن ملفوظات اور سوانح حیات کی روشنی میں جب حضرت امیر خسرو کے ہندوی کام کا جائزہ لیا جاتا ہے تو صاف معلوم

© https://www.khwajahasanizami.life

ہوتا ہے کہ حضرت امیر خسرو کی یہ شعوری کوششیں محض جدت پسند طبیعت کے تقاضے سے نہ تھیں بلکہ ان کے پیچھے مقدس مشن کا جذبہ بھی کام کر رہا تھا۔حضرت امیر خسرو رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور غزل:

زحال مسکیں کمن تغافل دورائے نیناں لگائے بتیاں
سکھی پیا کو جو میں نہ دیکھوں تو کیسے کاٹوں اندھیری رتیاں

جس میں ایک مصرع فارسی کا ہے اور دوسرا مقامی بولی کا، اردو کی نشو ونما کا پہلا اسٹیج ہے۔حضرت امیر نے اپنی ایک دوسری طویل نظم خالق باری میں ایک جدت اور پیدا کی کہ ایک ہی شعر اور ایک ہی مصرع میں کئی زبانوں کے الفاظ استعمال کئے جن میں سے ہر لفظ دوسرے لفظ کا ترجمہ ہے اس نظم کا پہلا اور آخری شعر ہے۔

خالق، باری ، سرجن، ہار
واحد، ایک، بدا، کرتار
مولوی صاحب، سرن، پناہ
گدا، بھکاری، خسرو ، شاہ

حضرت امیر خسرو نے نئی زبان میں جسکو وہ ہندوی کہتے تھے ایک پورا دیوان چھوڑا تھا جو بدقسمتی سے آج کل ناپید ہے؟ تاہم ان کا متفرق کلام اب بھی اختلافات کے باوجود زبان زد خاص وعام ہے اور اسے انہی سے منسوب کیا جاتا ہے۔

کسی نئی زبان سے یہ توقع نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ چند سال میں اس قابل ہو جائے کہ اس سے لکھنے پڑھنے کا کام لیا جانے لگے لیکن جس اولوالعزمی اور انہماک کے ساتھ صوفیاء نے اردو کو پروان چڑھایا۔اس کا ثبوت حضرت خواجہ بندہ نواز گیسودراز کے مشہور رسالے معراج العاشقین سے مل جاتا ہے۔جس زبان کی بنیاد ان کے دادا پیر کے زیر توجہ پڑی تھی۔اس کو کتنی جلدی نثر اور تحریر کا قالب بھی مل گیا۔

حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ اور ان کے خلیفہ حضرت چراغ دہلی کے زمانے تک صوفی مشن کا مرکز شمالی ہندوستان میں رہا چنانچہ وہیں کی مقامی بولیاں عربی فارسی سے مل کر اردو کیلئے تانے بانے کا کام کرتی رہیں۔ان بزرگوں کے بعد مشن کا مرکز گجرات اور دکن میں منتقل ہو گیا اس لئے وہاں کی مقامی زبانوں کا فیض بھی اردو کو پہنچنے لگا۔دکن میں حسن بہمنی نے مسلمانوں کی مستقل حکومت قائم کی تھی جس کو حضرت نظام الدین اولیاء رحمتہ اللہ علیہ نے سلطنت کی دعا اور بشارت دی تھی۔اس لئے وہ اور اس کے جانشین صوفی بزرگوں سے بیحد عقیدت رکھتے تھے۔اور ان پر صوفیوں کی بے تعصبی، انسانی ہمدردی اور محبت وخلوص کی گہری چھاپ تھی۔ چنانچہ انھوں نے بھی صوفیوں کی طرح بلاتفریق مذہب وملت ہر ایک کو گلے لگایا اور تلنگی کے ساتھ ساتھ نئی عوامی زبان دکنی کی بھی جو اردو کی ابتدائی شکل تھی خوب آؤ بھگت کی۔

صوفیوں نے اردو کو اپنے پیغام کا ذریعہ بنالیا تھا اس لئے جو وسعت اور ہمہ گیری ان کے مشن کو حاصل ہوتی تھی وہی قدرتی طور پر اردو کو بھی مل جاتی تھی۔ جب تصوف خانقاہوں اور کوچہ و بازار کی عوامی زندگی سے بڑھ کر درباروں تک پہنچا تو اردو کی رسائی بھی محلوں تک ہوگئی اور بادشاہوں اور امراء نے بھی اس کی سرپرستی شروع کر دی۔اردو کا پہلا صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ کو سمجھا جاتا ہے جس کا اکثر کلام تصوف کے اثر ونفوذ کا آئینہ دار ہے اور زبان کی سلاست اور روانی کے اعتبار سے ایسا ہے کہ ایک آدھ نامانوس لفظ کے سوا بعض مصرع تو بالکل جدید اردو کے معلوم ہوتے ہیں۔

پیا باج پیالہ پیا جائے نا
پیا باج اک پل جیا جائے نا

محمد قلی قطب شاہ سے لے کر دکن میں ولی اور سراج اور

شمال میں آرزو، آبرو، جان جاناں، خواجہ میر درد اور مضمون تک سب شاعر تصوف میں رنگے ہوئے ہیں اور صوفیاء کرام سے خاص نسبتیں رکھتے ہیں۔ حضرت جان جاناں اور حضرت خواجہ میر درد کا شمار تو بڑے پائے کے بزرگوں میں ہوتا ہے لیکن باقی سب بھی صوفی ہیں۔

ولی حضرت شاہ سعد اللہ گلشن کے مرید تھے۔ اور سراج عبد الرحمٰن چشتی کے، اسی طرح خان آرزو حضرت شاہ محمد غوث گوالیاری کی یادگار تھے اور مضمون حضرت بابا فرید گنج شکر رحمتہ اللہ علیہ کی اولاد میں تھے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

کریں کیوں نہ شکر لبوں کو مرید
کہ دادا ہمارا ہے بابا فرید

صوفی کے لئے اہل دل اور خوش مذاق ہونا لازمی ہوتا ہے اور یہ دونوں خصوصیات شعر و ادب کی جان ہیں۔ اکثر صوفی بزرگ جن کو شاعر کی حیثیت سے کوئی نہیں جانتا کبھی کبھی شعر کہہ لیا کرتے تھے۔ حضرت خواجہ نظام الدین سے تو متعدد اور بہترین شعر منسوب ہیں۔ اس لئے جب صوفیوں نے اردو کو اپنایا تو لازمی طور پر ان کی فطری خوش مذاقی اور نظم وضبط نے اس زبان پر بھی اثر ڈالا اور وہ نک سک سے درست ہونے لگی۔

مذکورہ بالا صوفی شعرا نے اردو کی ساخت پرداخت میں بڑا اہم پارٹ ادا کیا۔ سنسکرت بھاشا، اور قدیم دکنی کے بعض بھونڈے الفاظ اور عربی فارسی کی نامانوس ترکیبیں ترک کیں اور ان کی جگہ خوش آہنگ الفاظ کو دی۔ جدید محاورے ڈھالے اور مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کر کے اردو کا دامن مرادوں سے بھر دیا۔ حضرت خواجہ میر درد کے ہاں تو خاص طور سے ماہانہ ادبی مجلس منعقد ہوتی تھی۔ اور بڑے اہتمام سے گیسوئے اردو سنوارے جاتے تھے یہ زمانہ ایک طرح سے اردو کے عنفوان شباب کا زمانہ تھا اور سیانی ہو جانے کے بعد وہ وقت آ گیا تھا کہ صوفیا کرام اور ماں باپ کا گھر چھوڑ کر پرایا گھر بسائے۔ چنانچہ اس دور کے بعد صوفیوں کے علاوہ اور لوگوں نے بھی اردو کی سرپرستی کی۔ خاص کر اہل تشیع نے مرثیے کے ذریعہ اردو کو اس قابل بنا دیا کہ وہ دنیا کی بڑی بڑی زبانوں کی ہمسری کا دعوی کرنے لگے۔

جب تک اردو صوفیاء کرام کے زیر سایہ رہی اس میں سادگی سلاست اور بھگتی رس کا بے ساختہ پن قائم رہا البتہ محلوں درباروں اور غیر صوفی حضرات کی سرپرستی کے زمانے میں تصنع، لفظی کاریگری اور کچھ عرصے بعد مشکل پسندی کا ایسا زور ہوا کہ اس کی ترقی میں روکاوٹ پڑنے کا اندیشہ ہو گیا۔ اس خطرے سے بھی اردو کو صوفیاء کرام ہی نے بچایا اور ایک طرف نظیر اکبر آبادی جیسے درویش صفت شاعر نے عوامی مسائل، عوامی رنگ اور انداز میں بیان کر کے اردو کو اس قابل رکھا کہ وہ نئے زمانے سے ہم آہنگ رہ سکے اور فرسودہ نہ ہونے پائے اور دوسری طرف خواجہ حسن نظامی جیسے صوفی بزرگ نے اپنے آسان اور دل نشین طرز تحریر کے ذریعے اردو کو مشکل پسندی کی خطرناک گھاٹیوں سے باہر نکالا اور اسے کھلے عوامی میدان میں لائے تا کہ اس کے دھارے بھی مقدس گنگا جمنا کی طرح ہمیشہ ہندوستان کو سیراب کرتے رہیں۔

1857ء سے پہلے اور بعد کے اردو عالموں، ادیبوں اور شاعروں میں بھی غالب، اقبال، اکبر، حسرت اور جگر اور زور تک اگر آپ جائزہ لیں گے تو گیسوئے اردو کو سنوارنے والے زیادہ تر صوفی بزرگ یا ان کے متعلقین ہی نظر آئیں گے۔

(بشکریہ آل انڈیا ریڈیو)

(ماخوذ از ماہنامہ منادی نئی دہلی جلد 40 شمارہ 5)

© https://www.khwajahasannizamifife

حلقہ نظامیہ



ہندالولیٰ عطاے رسول حضور خواجہ غریب نوازؒ کے عرس مبارک کے موقع پر مؤرخہ 5/فروری 2023 بروز اتوار، مسجد عارفین، چونا بھٹی خسرو نگر ناندیڑ میں بعد نماز مغرب قرآن خوانی وفاتحہ خوانی ہوئی اور بعد نماز عشاء لنگر خواجہ تقسیم کیا گیا۔



حضرت خواجہ سید محمد نظامی دہلی رتن مدظلہ العالی کا بنگلور ایرپورٹ پر استقبال



حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کی سرکاری کمیٹی کے داروغہ جناب محمد مبین خان صاحب حضرت خواجہ سید محمد نظامی دہلی رتن مدظلہ العالی کی دستار بندی کرتے ہوئے۔



دربار حضرت یاسین ولی رحمۃ اللہ علیہ، تاڑی پاتری میں حاضری



حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے دربار میں حاضری







حضرت خواجہ سید محمد نظامی دہلی رتن مدظلہ العالی کا حیدرآباد ایرپورٹ پر استقبال

© https://www.khwajanizami.life





خبرغم



یہ اطلاع دیتے ہوئے بڑا افسوس ہو رہا ہے کہ جناب سدی جواد حسین جاوید صاحب نظامی ساکن دیگلور ضلع ناندیڑ حال مقیم حیدرآباد کا آج مورخہ 3-2-2023 بروز جمعہ صبح انتقال ہو چکا ہے۔ مرحوم عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ گئے تھے۔ عمرہ مکمل ہونے پر حلق کرنے کے بعد دل کا شدید دورہ پڑا اور وہ اپنے مالک حقیقی سے جا ملے۔ انا للہ و انا الیہ رجعون۔ آپ حضرت محمد فخر اللہ خان صاحب نظامی رحمتہ اللہ علیہ خلیفہ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلی رحمتہ اللہ علیہ کے تیسرے داماد تھے اور حضرت محمد مجیب حسن خان صاحب نظامی خلیفہ حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی فخر دہلی رحمتہ اللہ علیہ کے ہم زلف اور جناب سدی سجاد حسین واجد صاحب موظف لکچرار فیض العلوم ہائی اسکول و جونیئر کالج ناندیڑ کے حقیقی چھوٹے بھائی تھے۔ تدفین جنت المعلاہ مکہ مکرمہ میں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ خواجگان چشت رضی اللہ تعالیٰ اجمعین کے وسیلہ سے مرحوم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور تمام پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین۔

(عبدالملک نظامی ناندیڑ)

© https://www.khwajahasannizami.life

حضرت خواجہ حسن نظامی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی رحمۃ اللہ علیہ کی فہرست کتب

نظر ثانی قیمت

1۔ قرآن شریف اردو 500روپے

2-قرآن شریف ہندی 500روپے

3-قرآن مجید-عام فہم تفسیر 1000روپے

4-فوائدالفوادارد و 700روپے

5-فوائدالفواد ہندی 350روپے

6-تصوف رسم وحقیقت150روپے

7-سی پارہ دل اردو300روپے

8-سی پارہ دل ہندی300روپے

9-سفرنامہ مصر،شام وحجاز250روپے

10-راحت القلوب75روپے

11-تذکرہ نظامی30روپے

12-مرشدکوسجدہ تعظیم 30روپے

13-1857 کی یادگار کتابیں600روپے

14-مادرِ ہمدرد 50روپے

15-محرم نامہ 150روپے

16-شواہدنظامی200روپے

17-سیرالاولیاء اردو700روپے

18-سیرالاولیاءفارسی 700روپے

19-سیرالاولیاءانگریزی۔ 1000روپے

20-تاریخی روزنامچہ 250روپے

21-سماع،وجدورقص30روپے

22-اسرارکلام اللہ اسم اعظم 100روپے

23-گائے کی جان بچانے کا بیان اردو- مفت

24-گائے کی جان بچانے کا بیان ہندی۔مفت

25-یزیدنامہ 150روپے

26-تمانچہ بارخسار یزید 100روپے

27-نظامی بنسری اردو 300روپے

28-نظامی بنسری ہندی 300روپے

29- میلادنامہ 100روپے

30-فاطمی دعوت اسلام 300روپے

31-مراۃ الاسرار 500روپے

32- حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی رحمتہ اللہ علیہ شخصیت اور کارنامے۔(دوجلدوں میں)1500روپے

33-خراج عقیدت۔حضرت خواجہ حسن ثانی نظامی رحمتہ اللہ علیہ 600روپے

34-بیگمات کی آنسو ہندی 200روپے

35-سوانح عمری حضرت خواجہ حسن نظامی رحمتہ اللہ علیہ250روپے

36-فوائدالفوادانگریزی500روپے

37-حضرت خواجہ حسن نظامی رحمتہ اللہ علیہ کے خلفاء، ناظم اور مریدین700روپے

38- نظامی بسنت کے پھول (مطالعہ بین المذاھب)1100 روپے

ملنے کا پتہ: خواجہ **سید محمد نظامی**،خواجہ پبلیکیشنز ،خواجہ ہال، بستی حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء،نئی دہلی 110013

☆☆☆☆☆

© https://www.khwajahasannizami.life